ماہنامہ

ارمغان

ولی اللہ

جلد ۲۱ شمارہ ۵ مئی ۲۰۱۳ء مطابق جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ

سر پرست :

حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی

مدیر

وصی سلیمان ندوی

مجلس مشاورت

☆ مولانا محمد طاہر ندوی

☆ مولانا محمد اقبال قاسمی

☆ مفتی محمد ہارون مظاہری

پتہ

دفتر ارمغان

پھلت ضلع مظفر نگر

Phulat, Distt. Muzaffar Nagar

251201 (U.P.) INDIA

Mob : +91-9359350312

9368512753 , 9412411876

e-mail: arm313@gmail.com

armuganphulat@yahoo.com

Website: www.armughan.in

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں

ہر قسم کی چارہ جوئی کیلئے مظفر نگر کی عدالت سے رجوع کیا جائے

سرکولیشن انچارج : محمّد حنیف قاسمی

سرکولیشن منیجر : عبدالقدیر انصاری

پبلسٹی منیجر : نصیر احمد خوشحال پوری

چیف رپورٹر : محمد ادریس قریشی

مشیر قانونی : امجدعلی ایڈوکیٹ

مشیر اعزازی : ایوب بھائی بارڈولی والے

زرتعاون

❖ فی شمارہ 17 روپئے ❖ سالانہ 150 روپئے ❖ سالانہ رجسٹرڈ ڈاک سے 450 روپئے

❖ اعزازی تعاون 500 روپئے ❖ بیرونی ممالک سے 20 امریکی ڈالر ❖ لائف ممبر شپ 5000 روپئے (برائے ۲۰ سال)

پرنٹر پبلشر محمد ادریس قریشی نے ڈیلکس پریس راج مارکیٹ مظفر نگر سے چھپوا کر جمعیت شاہ ولی اللہ کیلئے پھلت ضلع مظفر نگر سے شائع کیا

(مدیر: وصی سلیمان ندوی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرس

☆	(اداریہ) یہ ظلم ونفرت کا دور کب تک	وصی سلیمان ندوی	۳
☆	مسلم اور غیر مسلم تعلقات	مولانا محمد کلیم صدیقی	۵
☆	حمد مناجات	ڈاکٹر سراج الدین گلاوٹھوی	۸
☆	نصاب تعلیم کا مسلسل جائزہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۹
☆	نسیم ہدایت کے جھونکے (انٹرویو)	**احمد اوّاہ ندوی**	۱۴
☆	مدارس کا نصاب اور نظام	مولانا شفیق احمد قاسمی	۱۹
☆	عالم یہ جل رہا ہے...........	مولانا محمد کلیم صدیقی	۲۵
☆	مولانا حکیم محمود احمد برکاتی	مولانا حکیم عبدالقوی	۲۹
☆	ڈاکٹر جاوید احمد کا حادثہ وفات	قاضی ضیاء الاسلام	۳۲
☆	پیغامات اور دعائیہ کلمات	اکابرین امت	۳۳
☆	خبروں کی دنیا	محمد ادریس قریشی ولی اللہی	۳۸
☆	فقہی مسائل	مفتی محمد عاشق صدیقی ندوی	۳۹
☆	آخری صفحہ	مولانا محمد کلیم صدیقی	۴۰

اس دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت **مئی** سے ختم ہورہی ہے، رسالہ کو مسلسل جاری رکھنے کے لئے دفتر کو اطلاع دیں یا فوراً رقم ارسال فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

یہ ظلم ونفرت کا دور کب تک؟

نبی رحمت ﷺ کی آمد کے زمانہ میں پوری دنیا میں خواتین پر مظالم کے جو پہاڑ توڑے جا رہے تھے، اس کا اندازہ اس زمانہ کی معاشرت کا ہلکا سا مطالعہ کر کے بھی کیا جا سکتا ہے، لڑکی کی پیدائش کو باعث ننگ و عار سمجھا جاتا تھا، اس کے وجود کو گناہ کا ذریعہ اور بوجھ محسوس کیا جاتا تھا، اور ان کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، اسلام نے اس ظلم کے خلاف بڑی بلند آہنگی کے ساتھ آواز اٹھائی اور شیشہ میں نزاکت پیدا کر کے صنف نازک کو عظمت واحترام کے اسٹیج پر لا کھڑا کیا، لیکن صدیاں گذر جانے کے بعد انسانیت ایک بار پھر اسی ظلم وستم کی راہ پر چل پڑی ہے، اور اب لڑکیوں کو پیدا ہونے سے پہلے ہی ختم کر دیا جاتا ہے، تہذیب جدید نے اس کے لئے نئے نئے طرز ستم ایجاد کر لئے ہیں، اور ہزار کوشش کے باوجود یہ سلسلہ روز افزوں ہے۔

۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست اتر پردیش کی کل آبادی میں قریب نوے لاکھ عورتیں کم ہیں، ان میں ہندو مردوں کے مقابلہ میں اکیلے ۷۵/لاکھ تو ہندو عورتیں ہی کم ہیں، اتر پردیش میں چھ سال سے کم عمر کے بچوں میں لڑکوں کے مقابلہ میں تقریباً ۱۴/لاکھ لڑکیاں کم ہیں، ان بیٹیوں کو یا تو شکم مادر میں ہی یا پھر پیدائش کے بعد مار دیا جاتا ہے، ان چودہ لاکھ میں اکیلے ہندو فرقہ میں بیٹوں کے مقابلہ میں تقریباً پونے بارہ لاکھ بیٹیاں کم ہیں، یوپی میں ہندو آبادی میں جنس کا تناسب ۸۹۴ ہے (یعنی ایک ہزار مردوں پر ایک سو چھ عورتیں کم ہیں) چھ سال سے کم عمر کے بچوں میں یہی تناسب ۹۱۱ ہے (یعنی فی ہزار لڑکوں پر ۸۹ لڑکیاں کم ہیں) اس سے حالات کی سنگینی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ ملک کی نسبتاً زیادہ خوش حال مغربی ریاستوں پنجاب، چنڈی گڑھ ہریانہ ہماچل پردیش، مہاراشٹر، گجرات وغیرہ میں جہاں اقتصادی ترقی کی شرح، خواندگی کی شرح وغیرہ، مشرقی ریاستوں کے مقابلہ میں کافی زیادہ ہے لیکن پچھلی دو مردم شماریوں سے یہ بات سامنے آگئی ہے کہ انھیں ترقی یافتہ ریاستوں میں جنس کے تناسب میں زیادہ کمی واقع ہوئی ہے۔

لڑکیوں کی پیدائش سے پہلے ہی انھیں رحم مادر میں مار دینے یا دنیا میں آجانے کے بعد ان کے قتل کے وجوہات پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس ملک میں بیٹی کو ہمیشہ سے ایک بوجھ سمجھا جاتا ہے، اور جہیز جیسے مسائل سے بچنے کیلئے یہ بے رحمی کے واقعات پیش آرہے ہیں، اب الٹراساؤنڈ کی ایجاد کے بعد اور مانع حمل دوائیں دستیاب ہونے کے نتیجہ میں جو ذہن بن رہا ہے اس کے باعث کہا جانے لگا ہے، آج پانچ سو خرچ کرو، بعد میں پانچ لاکھ بچاؤ۔ اس سلسلہ میں حکومت کے قوانین، خاندانی منصوبہ بندی جیسے نعرے بھی لوگوں کی منفی ذہنیت بنانے کے ذمہ دار ہیں۔

ہمارے ملک میں بیٹیوں کو مختلف وجوہات کے سبب قتل کرنے والے معاشرہ کے لئے یہ سوچنے کا آخری موقع ہے، اگر اب بھی لوگوں کو ہوش نہ آیا اور اس سلسلہ میں ہنگامی طور پر کاروائی نہ کی گئی تو

اگلے دس برسوں میں پورے ملک میں تخلیق کا بار اٹھانے والی عمر کی عورتوں کی تعداد میں سوا چار کروڑ کی کمی ہو جائے گی، اور دو لاکھ تیس ہزار جوانوں کو شادی کے لئے دلہن نہیں ملے گی۔

آخر اس کا علاج کیا ہے؟ مولانا سید ولی رحمانی فرماتے ہیں :

''اس کا صحیح علاج صحیح ذہن سازی ہے، جب تک ملک کے سماج کا ذہن نہیں بدلے گا، سماج میں جنسی بے توازنی کو روکا نہیں جاسکتا، اور لڑکیوں پر ماں باپ کی زیادتی ختم نہیں کی جاسکتی، بیٹیوں کو جہیز کے خوف سے قتل کیا جاتا رہے گا، اور بیویوں کو منہ مانگا جہیز نہ لانے کے جرم میں جلایا جاتا رہے گا، سماج میں عورت کی عظمت واہمیت دلوں میں اتارنے کی ضرورت ہے اور بات جب بنے گی جب مرد یہ مان کر چلے کہ زندگی کے گاڑی کے دو پہیئے میں ایک عورت ہے دوسرا مرد، عورت کوئی اسٹپنی نہیں ہے، جو جیپسی کے پیچھے ٹنگی رہے، بوقت ضرورت اس کا استعمال ہو اور بقدر ضرورت اسے استعمال کرکے پھر گاڑی کے پیچھے ٹانگ دیا جائے۔ اسے زندگی کے تپتے مرحلوں میں مرد کا حوصلہ بڑھانا ہے اور مرد کو عورت کی دل جوئی کرنی ہے، ان میں سے ہر ایک دوسرے کی خاطر غصہ کو پینے والا، ناروا کو برداشت کرنے والا اور خامیوں کی پردہ پوشی کرنے والا بنے، کیونکہ ان کے پیدا کرنے والے نے یہی تعلیم دی ہے۔ ھن لباس لکم وانتم لباس لھن (تم ان کا لباس ہو اور وہ تمھارا لباس ہیں) لباس جسے پہنا جاتا ہے، برتا جاتا ہے، جس سے پردہ پوشی ہوتی ہے اور جو موسم کے سرد وگرم اور باد وباراں سے بچانے ایک ذریعہ ہے۔

نہ نعروں سے کام چلے گا، نہ وعدوں سے بات بنے گی، ارادوں کی ضرورت ہے، عمل کی حاجت ہے، دل جیتنے کے لئے اپنے دل کے دروازے کو وا، اور ذہن کے دریچوں کو روشن رکھنا ہوگا، عورت ماں بھی ہے، بہن بھی ہے، بیوی اور بیٹی بھی، اور سماج میں زندگی گذارنے والی پرائی بھی، عورت سے یہ مرد کے رشتے ہیں، ان سارے رشتوں کو عصمت اور عظمت کے دھاگے میں قدرت نے گوتھ رکھا ہے، مرد کی زندگی کی بھلائی اور مستقبل کی تابانی اسی میں ہے کہ وہ اس دھاگہ کی عزت اور قدر کرے ان رشتوں کا احترام کرے، یہ عورت کی قسمت اور عظمت ہے کہ وہ مرد کو زمین پر لانے کا ذریعہ بنی، مرد اس کی کوکھ سے جنم لیتا ہے اس کی عظمت کا تقاضا ہے کہ ہر اونچی نگاہ اس کے سامنے نیچی رہے۔ یہی قانون قدرت ہے، یہی انسانیت کا تقاضا ہے اور قانون قدرت سے چھیڑ چھاڑ کبھی ٹھیک نہیں ہوتی، ہندوستان میں خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک چلائی گئی، یہ نظام قدرت کے سربستہ راز سے چھیڑ چھاڑ تھی، جس کا نتیجہ سامنے ہے، ملک ایسے سماجی دلدل میں پھنسا ہے جس سے نکلنے کے لئے پھر جنگی پیمانہ پر کام کرنے اور سوچ کو صحیح سمت پر لگانے کی ضرورت ہے، یہ مسئلہ صرف عورتوں کا نہیں ہے مسئلہ ہے ملک کی انسانی قدروں کا، امن وسکون کا، اخلاقی اور سماجی روایات کا اور احترام آدمیت کا۔

وصی سلیمان ندوی

مسلم غیر مسلم تعلقات

قرآن کریم کے پس منظر میں

مولانا محمد کلیم صدیقی

اسلام اور مسلمانوں کے عروج کی تاریخ رواداری اور ان کی اعلیٰ قدروں کو اجاگر کرنے کی تاریخ ہے، اس دور کے مسلمانوں کی سلطنتیں ستم رسیدہ یہودیوں اور دوسرے عقائد رکھنے والے عیسائیوں کی پناہ گاہ تھیں اور ان کے مذہبی عقائد سے اختلاف رکھنے کے باوجود مسلم ممالک میں انہیں پناہ لینے کی کھلی آزادی تھی، بلکہ انہیں مذہبی فرائض کی ادائیگی اور اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر کرنے کی آزادی بھی حاصل تھی۔ یہ اسلام کی حقانیت اور اس کی تعلیمات کا اثر تھا کہ بڑے سے بڑے مؤرخ نے ان تعلیمات کا لوہا مانا اور اس کے عادلانہ منصفانہ نظام کی تعریف وتوصیف جو حقیقت پر مبنی تھی بیان کئے بغیر نہ رہ سکے۔

دوسروں کی عبادت گاہوں کا احترام

اسلام نے نہ صرف یہ کہ انسانوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا بلکہ تمام اہل مذاہب کے جذبات کو ملحوظ رکھنے کی ترغیب دی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوٰت ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیراً (الحج:۴۰)

اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو، ایک کو دوسرے سے، تو ڈھائے جاتے، نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے، یہودیوں کے عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ کا بہت زیادہ ذکر کیا جاتا ہے

جتنے دین ومذاہب دنیا میں ایسے ہوئے ہیں کہ کسی زمانہ میں ان کی اصل بنیاد اللہ کی طرف سے وحی کے ذریعہ قائم ہوئی تھی پھر وہ منسوخ ہو گئے اور ان میں تحریف ہو کر کفر وشرک میں تبدیل ہو گئے، مگر اپنے وقت میں وہی حق تھے ان سب کی عبادت گاہوں کا اس آیت میں ذکر ہے۔

مذکورہ بالا آیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ نے عبادت گاہوں کے منہدم کرنے کی مذمت بیان کی ہے، اور مسلمانوں کی مسجدوں سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں کے گرجوں کا ذکر فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ عبادت گاہ خواہ کسی مذہب کی ہو ان کا احترام ملحوظ رکھا جائے، رسول اللہ ﷺ نے بنو نجران سے جو معاہدہ کیا اس میں یہ صراحت فرمائی کہ ان کی عبادت گاہیں منہدم نہ کی جائیں اور ان کے مذہبی امور میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام غیر مسلموں کے مذہبی اور رواجی مسائل میں بہت کشادہ قلب، سیر چشم اور روادار ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ مسلمانوں کو جو تعلیمات غیر مسلموں کے تعلق سے دی گئیں، اس کے اصول وضوابط بھی مقرر کئے گئے ہیں، اس لئے کہ اسلام اپنے متبعین کے تئیں اتنا ہی زیادہ حساس بھی ہے، جتنا دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے لئے وسیع القلب۔

تعلیمات اسلامی پر عمل

مذہبی تعلقات کا یہ دوسرا پہلو ہے کہ مسلمانوں کو اسلام نے جو تعلیمات دی ہیں، انہیں اس نے کافی حساس بھی بنایا ہے، یعنی ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی شناخت اور شعار تمام تر قربان کر دیں، اس امر کے متعلق مولانا خالد سیف اللہ رحمانی رقم طراز ہیں:

مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں، مسلم ممالک میں یا غیر ممالک میں، دین کے چار شعبوں میں ان کے لئے قانون شریعت کا احترام ضروری ہے، اعتقادات، عبادات، احوال شخصیہ اور معاملات

(۱)اعتقادات: اس سے مراد وہ احکام ہیں جن کا تعلق قلب وضمیر سے ہو، جیسے توحید، رسالت آخرت کا یقین وغیرہ۔

(۲) عبادات: اس سے مراد وہ احکام ہیں جن کا تعلق براہ راست خدااور بندے کے باہمی ارتباط سے ہے جیسے نماز، روزہ وغیرہ

(۳)احوالِ شخصیہ: سے مراد (Personal law) ہے اس میں نکاح، طلاق کے علاوہ میراث، مختلف اقارب سے متعلق حقوق وفرائض بھی آجاتے ہیں۔

(۴)معاملات: سے مراد مالی بنیاد پر دوافراد کے تعلقات و معاہدات ہیں، تجارت، اجارہ، ہبہ وغیرہ اس شعبہ کے تحت آجاتے ہیں اور سود، جوا جیسے حرام معاملات بھی اسی دائرہ میں ہیں۔

یہ تمام قوانین وہ ہیں کہ چاہے مسلم اکثریتی ملک ہو یا غیر اکثریتی ملک، اورکلیدی اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو یا نہ ہو، مسلمانوں کے لئے ان قوانین میں شریعت اسلامی کی اطاعت واجب ہے، جوقوانین اجتماعی نوعیت کے ہوں یا جرم وسزا کے متعلق ہوں جیسے حدود، قصاص، نظام ملک وغیرہ، ان شعبوں سے متعلق شرعی قوانین وہیں قابل نفاذ ہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہواور باگ واقتدار ان کے ہاتھوں میں ہو، پس غیر مسلموں سے تعلقات ان قوانین پر عمل آوری کے حق سے دست برداری اور محرومی کی قیمت پر استوار نہیں کئے جاسکتے اوراس سلسلہ میں مسلمانوں سے کسی تبدیلی کو قبول کرنے کا مطالبہ غیر معقول بھی ہے، کیونکہ مسلمانوں کے ان پر عمل کرنے یا نہ کرنے سے غیر مسلم بھائیوں کا نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ نقصان۔

البتہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی شناخت قائم ودائم رکھیں، اس میں کسی نوعیت کا فرق نہ آنے پائے، خواہ کسی بھی اعتبار سے ہو، اہل اسلام کے لئے جو ہدایات ہیں، انہیں ان پر کاربند رہنا چاہئے، وہ اپنے تشخص کو پامال نہ کریں، آپ ﷺ نے فرمایا:

لیس منا من تشبه بغیرنا ،لاتشبهوا بالیهود ولا بالنصاریٰ (ترمذی)

جو دوسروں کی مشابہت اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، یہودیوں اورعیسائیوں سے مماثلت اختیار نہ کرو۔

جس تشبّہ کا ذکر آپ ﷺ نے فرمایا اس میں ہم چار درجے محدثین وفقہاء کی آراء سے نقل کرسکتے ہیں:

(۱) غیروں کے مذہبی شعار میں تشبہ اختیار کیا جائے، مثلا مسلمان ان کے شعار کا استعمال کرنے لگیں، جیسے زنا روصلیب وغیرہ پہننا شروع کردیں، یہ باعث کفر ہے، کیونکہ ہرگز اس کی گنجائش نہیں۔

(۲) مذہبی تہواروں میں شرکت، اگران کے مذہبی معتقدات اورافعال پرخوشنودی ورضامندی کا اظہار، یا تائید وتحسین مقصود ہو تو یہ کفر پر راضی ہونا خود کفر ہے۔

(۳) تہذیبی تشبہ، وضع قطع جو کسی خاص قوم کی شناخت بن گئی ہواس کواختیار کرنا اگر وہ مذہبی امور میں داخل ہے تو پھر مکروہ تحریمی ہے، اس سے بھی اہل اسلام کو بچنا چاہئے، مثلا دھوتی باندھنا، جس سے صرف ایک ہندو ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

(۴) جو چیزیں کسی خاص مذہب کی پہچان نہ ہوں یا انتظام وانصرام سے متعلق امور ہوں تو ایسی شکل میں غیر مسلموں کے طرز سے استفادہ کرنا درست ہے، مثلاطرز تعمیر وغیرہ سے استفادہ کرنا

مذکورہ تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام اپنے متبعین میں حساسیت پیدا کرنا چاہتا ہے، اپنے ذاتی تشخص اور شناخت کا جذبہ ابھارنا اور دیگر اقوام سے ممتاز کرانا چاہتا ہے، اس لئے کہ یہ شناخت قائم رکھنا ایک فطری عمل ہے، ہرانسان کے اندر یہ جذبہ رہتا ہے کہ وہ اپنے کودوسروں سے ممتاز کرے اور حقیقت یہی ہے کہ ہرتہذیب کواپنانے والے اپنی الگ شناخت رکھتے ہیں، اس پر قائم رہتے ہیں، چنانچہ یہ کوئی مذموم عمل نہیں ہے نہ ہی اس میں تنگ نظری کا پہلو ہے، اس لئے کہ اسلام دوسروں کی آزادی میں بھی تو مخل نہیں ہوتا۔

ایک حقیقت

قرآن کریم کی بعض سورتوں مثلاً سورۂ توبہ میں جابجا اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ دشمنوں سے رفاقت وعنایت کا رشتہ نہ رکھو اگر چہ وہ تمہارے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ترکِ موالات اس طرح کے تمام احکام، جنگ کے احکام میں سے ہیں اور یہ بات قرآن کریم کی انہیں آیات میں بالکل وضاحت کے ساتھ بیان کردی گئی ہے چونکہ یہ ہمارا موضوع نہیں ہے، اس لئے کہ اس قسم کی آیات سے اجتناب کیا گیا ہے۔ البتہ بطور نمونہ ایک آیت اور اس کی مختصر تفسیر وتشریح بیان کی جاتی ہے، تاکہ احکام بھی واضح ہوجائیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یا ایها الذین آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونکم لا یألونکم خبالا، ودّوا ما عنتم، قد بدت البغضاء من أفواههم وما تخفی صدورهم أکبر قد بینا لکم الآیات ان کنتم تعقلون. (آل عمران:۱۱۸)

اے ایمان والو! نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنے سوا، وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں، بس تم قدرے تکلیف میں رہو، نکل پڑتی ہے دشمنی ان کی زبان سے، اور جو کچھ مخفی ہے ان کے جی میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے، ہم نے بتادئے تم کو پتے اگر تم کو عقل ہے

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ کے اطراف میں جو یہودی آباد تھے ان کے ساتھ اوس وخزرج کے لوگوں کی قدیم زمانہ سے دوستی چلی آرہی تھی، آپس میں انفرادی واجتماعی دوستیاں وتعلقات پائے جاتے تھے، جب یہ اوس وخزرج مسلمان ہوگئے تو یہ اپنے تعلقات ویسے ہی نبھاتے رہے، لیکن یہود جو کہ آپ ﷺ کے دین کے حریف تھے، انہیں اب یہ بات گوارہ نہ تھی کہ وہ ایسے افراد سے پرخلوص تعلق رکھیں جو اپنا دین بدل چکے ہوں، چنانچہ یہودی ان انصار سے بظاہر ملتے رہتے اور اندرونی طور پر اس بات کی جستجو میں رہتے کہ کسی طرح مسلمانوں کے قریب جاکر ان میں آپس میں فتنہ وانتشار مچادیں اور ان کے اجتماعی راز معلوم کر کے دشمنوں کے ہاتھ دے دیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی اس منافقانہ حرکت سے باخبر کیا ہے اور فرمایا ہے:

یا ایها الذین آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونکم (آل عمران:۱۱۸)

یعنی اے ایمان والو! نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنے سوا،

بطانۃ کے معنی دلی دوست، راز دار، بھیدی، کپڑے کا باطنی استر جو جسم سے ملا رہے، وہ بطانۃ کہلاتا ہے۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنی ملت والوں کے سوا کسی کو اس طرح کا معتمد اور مشیر نہ بناؤ کہ اس سے اپنے اور اپنی حکومت کے راز کھول دو، اسلام نے اپنی عالمگیری رحمت کے سایہ میں جہاں مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی، نفع رسانی اور مروت کی غیر معمولی ہدایات فرمائیں، اور نہ صرف زبانی ہدایات، بلکہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی عالمگیر رحمت کے سایہ میں اس کو عملی طور پر رواج دیا ہے، وہیں عین حکمت کے مطابق مسلمانوں کی اپنی تنظیم اور ان کے مخصوص شعائر کی حفاظت کے لئے یہ احکام بھی صادر فرمائے کہ قانون اسلام کے منکروں اور باغیوں سے تعلقات ایک خاص حد سے آگے بڑھ جانے کی اجازت مسلمانوں کو نہیں دی جاسکتی، اس سے فرد اور ملت دونوں کے لئے ضرر اور خطرے کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ ایسا صریح اور معقول مناسب اور ضروری انتظام ہے جس سے فرد اور ملت دونوں کی حفاظت ہوتی ہے۔ (معارف القرآن)

آخری بات

گلوبلائزیشن کے اس دور میں جب کہ پوری دنیا نے ایک گاؤں کی حیثیت اختیار کرلی ہے اور برادران وطن اسلامی تعلیمات سے عدم واقفیت کی بنیاد پر اسلام اور مسلمانوں کو دقیانوس اور

آؤٹ ڈیٹ سمجھ رہے ہیں، یہ ہماری دعوتی کوتاہی کا نتیجہ ہے، جب کہ احکم الحاکمین خدائے برحق نے امت مسلمہ کے افراد کو داعی اور پوری غیر مسلم انسانیت کو ہمارا مدعو بنایا ہے، بقول میرے حضرت والا مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ''داعی کی حیثیت طبیب کی اور مدعو کی حیثیت مریض کی، یا داعی کی حیثیت معلم کی اور مدعو کی حیثیت متعلم کی ہوتی ہے''۔اس شفاخانہ انسانیت اور مدرسہ انسانیت کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس شفاخانہ کے طبیب اور درسگاہ انسانیت کے معلم اپنا عہدہ، اپنا منصب، اپنا مشغلہ اور پتہ بھول گئے ہیں، ہمارے مریضوں کے ساتھ، ہمارے متعلمین کے ساتھ ہمارا کیا رشتہ ہے، وہ بھی یاد نہیں رہا، خیر امت کے افراد ہونے کی حیثیت سے ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اسلام کی صحیح تعلیمات پورے عالم کے سامنے لائیں اور اس کے تصورات جو فراخدلی، مساوات، رواداری، اور وسعت ظرفی پر مبنی ہیں، ان سے انسانیت کو آگاہ کریں، نیز ہم اپنے کردار، اخلاق، معاملات اور معاشرت سے یہ بات ثابت کردیں کہ اسلام واقعی بڑی نعمت ہے، اور سسکتی اور بلکتی انسانیت کے درد کا درماں اللہ نے اسلام کو بنایا ہے، تو اللہ تعالی کی ذات رحیمی سے بعید نہیں کہ جوق در جوق لوگ اسلام و ایمان کے سایہ میں آجائیں اور ہم اللہ کے رسول کی اس بشارت کے مستحق بن جائیں:

من أسلم علی یدیه رجل واحد وجبت له الجنة.

جس شخص کے ہاتھ پر ایک شخص نے اسلام قبول کرلیا اس کے لئے جنت واجب ہے۔

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائیگی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

حمد و مناجات

ڈاکٹر سراج الدین
سیر پور روڈ گلاؤٹھی

تعریف سب ہیں تیری
تو رب ہے عالموں کا

رحمٰن بھی ہے تو ہی
ذات رحیم یکتا

یوم جزا کے مالک
تیری ہی بندگی ہے

ہم چاہتے ہیں تجھ سے
ہر حال تیری نصرت

جو راستہ ہو سیدھا
ہم کو دکھاتے رہنا

وہ راستہ کہ جس پر
اسلاف چلتے آئے
تھا جن پہ فضل تیرا

ہرگز نہ ہو وہ جادہ
زیر قدم ہمارے
منزل ہو جس ڈگر کی
تذلیل اور تباہی
رسوائی اور لعنت
جس راستہ پہ چل کر
نازل غضب ہو تیرا

تیری کرم نگاہی
ہم پر رہے الٰہی

نشان راہ

نصاب تعلیم کا مسلسل جائزہ
ایک اہم ضرورت!

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

انسانی فکر کی تعمیر میں دو باتوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے:
ایک: ماحول دوسرے: تعلیم

انسان جس ماحول میں پلتا ہے، اس کے بزرگوں کی جو سوچ ہوتی ہے، اور وہ اپنے گرد و پیش جس عمل کو دیکھتا ہے اور جو باتیں شب و روز اس کے کانوں سے ٹکراتی ہیں، ان کا اس پر غیر معمولی اثر ہوتا ہے، یہ سنی اور دیکھی ہوئی چیزیں کانوں اور آنکھوں سے گزر کر دل و دماغ تک پہنچ جاتی ہیں اور ان باتوں کا سچ اور حق ہونا اس کے ذہن پر ایسا نقش ہو جاتا ہے جیسے پتھر کی لکیر ہو؛ اسی لئے ہمیں قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی انبیاء کسی قوم کی طرف بھیجے گئے، انہوں نے توحید کی طرف بلایا، کفر و شرک سے منع کیا، بت پرستی اور مخلوق پرستی سے روکا، اچھے اخلاق کی دعوت دی اور بری عادتوں سے انہیں منع کیا تو زیادہ تر لوگوں نے ان کی مخالفت ہی کی، اس مخالفت کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں تھی اور دلیل ہوتی بھی کیسے، کفر و شرک کی بھی کیا کبھی کوئی دلیل ہو سکتی ہے؟ اور اچھی باتوں پر بری باتوں کو ترجیح دینے کے لئے کوئی اساس مل سکتی ہے؟؟ لیکن ہوتا یہ تھا کہ ہر دلیل کے مقابلہ ان کی ایک ہی بات ہوتی تھی کہ جو کام ہمارے یہاں پشتوں سے ہوتا آیا ہے، ہمارے آباء و اجداد جس کے قائل رہے ہیں اور جن افکار و اعمال پر ہم نے ان کو پایا ہے، ہم انہیں کس طرح چھوڑ سکتے ہیں؟ ﴿قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَائَنَا﴾ (البقرۃ: ۱۷۰، نیز دیکھئے: مائدہ: ۱۰۴، اعراف: ۲۸، یونس: ۷۸، انبیاء: ۵۳، شعراء: ۷۴، لقمان: ۲۱، زخرف: ۲۲-۲۳) یہ اسی ماحول کا اثر ہے۔

غور کیجئے کہ انسان کی فطرت میں آزادی ہے؛ لیکن انسانوں نے صدیوں ایک فرد یا ایک خاندان کی غلامی قبول کی ہے، اور یہ قبولیت بھی ایسی جس میں بتدریج دل کی آمادگی بھی شامل ہو جاتی تھی، خود ہندوستان میں برہمنوں نے ذات پات کا اور خاندانی اونچ نیچ کا ایک نامنصفانہ فلسفہ ایجاد کر لیا اور اسے سماج کا حصہ بنا دیا، اگر چہ دراوڑیوں نے ابتداءً اس کی مخالفت کی؛ لیکن آہستہ آہستہ مزاحمت ختم ہوتی گئی اور شودر کے نام سے ایک ایسا طبقہ وجود میں آ گیا، جس کو خود اپنے آپ کے حقیر ہونے کا، خدا کی طرف سے اونچی ذات والوں کی خدمت کے لئے پیدا کئے جانے کا اور اسی بات کے ان کے لئے وجہ سعادت ہونے کا یقین ہو گیا تھا، پورے سماج نے اس کو اس طرح تسلیم کر لیا تھا کہ اس کے خلاف احتجاج کی کوئی صدا بلند نہ ہو پاتی تھی اور جور و ستم کے اس رویہ کو بالکل حق بجانب خیال کر لیا گیا تھا، غور کریں تو یہ سب اس سماجی ماحول کا اثر تھا، جو اس وقت قائم تھا جب بچہ پیدا ہوتا اور اپنی آنکھیں کھولتا تو وہ صبح و شام اور دن و رات اسی تصور کے مظاہر کو سر کی آنکھوں سے دیکھتا، خود ان کے بزرگوں کو اس پر مطمئن پاتا، بالآخر آہستہ آہستہ خود بھی اس کی خوئے غلامی پختہ سے پختہ تر ہو جاتی۔

دوسری چیز جو انسان پر اثر انداز ہوتی ہے، وہ ہے تعلیم، علم ایک روشنی ہے جو انسان کے دماغ پر چھائی ہوئی فکر و نظر کی تاریکی کو دور کرتی ہے، جیسے صبح کا سورج طلوع ہوتے ہی رات کے اندھیرے رخت سفر باندھ لیتے ہیں، اسی طرح تعلیم کی روشنی انسان کے رویہ کو تبدیل کر دیتی ہے اور دل و دماغ پر اس کی حکمرانی قائم ہو جاتی ہے، چوں کہ تعلیم کے ذریعہ جو فکری انقلاب رونما ہوتا ہے، اس کی بنیاد دلیل پر ہوتی ہے، اس لئے ماحول اور روایت کی بنیاد پر فکر کی جو عمارت کھڑی ہوتی ہے، جب تعلیم کے ذریعہ اس پر

ضرب لگائی جاتی ہے تو اگر چہ ابتداء میں مزاحمت پیش آتی ہے؛ لیکن بالآخر تعلیم کو فتح حاصل ہوتی ہے اور وہ انسان کی فکر ونظر کی مملکت کی بادشاہ بن جاتی ہے، خاص طور پر کم عمر بچے اور نوجوان اس سے جلد متأثر ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کی دعوت پر ہمیشہ نوجوانوں نے لبیک کہنے میں سبقت کی، پرانے لوگ انہیں دیکھ کر کہتے تھے کہ اِن نوعمر اور ناتجربہ کار لوگوں کی رائے کا کیا اعتبار ہے؟ (ہود: ۲۷)۔

اس کی ایک نفسیاتی وجہ یہ ہے کہ بچپن سے لے کر عنفوان شباب تک کی عمر بغاوت کی عمر ہوتی ہے، اس عمر میں انسان کا دماغ روایتی باتوں پر قناعت کرنا نہیں چاہتا؛ بلکہ اس میں غیر معمولی جذبۂ تحقیق وتلاش پایا جاتا ہے، جب متضاد باتیں اس کے سامنے آتی ہیں تو وہ چاہتا ہے کہ دلیل کی قوت سے فیصلہ کرے کہ کون سی بات درست ہے اور کون سی بات غلط ہے؟ اسی جذبہ تحقیق کی وجہ سے انبیاء کو اپنی مشرک اور سرکش قوم میں سے وہ لوگ مل جاتے تھے، جو سارے مفادات کو پس پشت رکھ کر ان کی دعوت پر لبیک کہتے تھے اور نوجوان ہونے کی وجہ سے ان میں جد وجہد اور اپنی تحریک کے لئے کچھ کر گزرنے کا غیر معمولی جذبہ کارفرما ہوتا تھا، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہم اس منظر کو دیکھنا چاہیں تو ہمیں ہجرت کا واقعہ اپنی نظر میں رکھنا چاہئے کہ مکہ سے جو راہ حق کے مسافر لٹے پٹے اور اسباب زندگی سے محروم مدینہ پہنچے، راوی کہتے ہیں کہ ان سب کی داڑھیاں سیاہ تھیں، سوائے حضرت ابوبکر صدیق کے، جن کی ریش مبارک میں کالے اور سفید ملے جلے بال تھے۔

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو لوگ تعلیم وتعلم کے ذریعہ کسی فکر کو قبول کرتے ہیں، وہ اس پر ثابت قدم رہتے ہیں، نہ خوف ان کے قدموں میں تزلزل پیدا کرتا ہے اور نہ لالچ دے کر ان کی متاع فکر کو خریدا جاسکتا ہے، قوموں کی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جن لوگوں نے علم ومعرفت کی بنا پر کسی نظریہ کو اپنایا اور دلیل کو سامنے رکھ کر کسی بات کو قبول کیا، انہیں اس کے لئے کتنی بھی مشقت اٹھانی پڑی اور آزمائشوں سے گزرنا پڑا، ان کی ثابت قدمی پر آنچ نہیں آئی، اس کے برخلاف ماحول اور روایت کی بنیاد پر جو فکر قائم ہوتی ہے، وہ بظاہر بہت مضبوط نظر آتی ہے اور اپنے ماننے والوں کے اندر اس سے ایک جذباتی وابستگی پائی جاتی ہے؛ لیکن وہ مخالف نقطۂ نظر کا مقابلہ نہیں کرسکتی، جب دلیل اور علم و معرفت کی شہادت کے ساتھ دوسرا پہلو سامنے آتا ہے تو وہ مکڑی کے جالوں کی طرح بکھر کر رہ جاتی ہے۔

اسی لئے نظام تعلیم کو بے حد اہمیت حاصل ہے، اسکولوں میں جو بچے آتے ہیں، اگر چہ اپنے خاندانی اور گھریلو ماحول کی وجہ سے ان میں اپنے مذہب سے لگاؤ اور اپنی قوم سے محبت کے جذبات پائے جاتے ہیں؛ لیکن ان کے دل و دماغ کی حیثیت ایک سادہ کاغذ کی ہوتی ہے، استاذ اس پر جو کچھ لکھ دیتا ہے، وہی اس پر نقش ہوجاتا ہے، یہی عمر نئے افکار کو قبول کرنے کی ہوتی ہے، اور جب اِن افکار کو علم وتحقیق کا لباس پہنا کر پیش کیا جاتا ہے تو طالب علم بتدریج اس سے کچھ اس طرح متأثر ہوتا ہے کہ جو کچھ اس نے اپنے خاندانی ماحول میں سنا تھا اور اپنے بزرگوں کو کرتے ہوئے دیکھا تھا، اسے دقیانوسیت اور نامعقولیت خیال کرنے لگتا ہے؛ اسی لئے اکبر الہ آبادی نے کہا تھا:

ہم ایسی سب کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جنہیں پڑھ کے بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

اب اگر تعلیم سچائی پر مبنی ہو تو اس سے بچوں کے ذہن کی تعمیر ہوتی ہے اور وہ صحیح فکر کے ترجمانی اور نمائندہ بنیں گے اور اگر انہیں وہ تعلیم دی گئی جس کا مقصد سچائی کو مسخ کرنا اور حقیقت پر سیاہی پھیرنا ہو تو پھر ان ہی غلط افکار پر اس کے ذہن وفکر کی تعمیر ہوگی، پھر جب تک اس کا شعور کافی پختہ نہ ہوجائے، اس کے اندر اس موضوع کی تحقیق کا بھرپور جذبہ پیدا نہ ہوجائے اور پھر وہ علمی

جدوجہد کا سفر طے کر کے سچائی کو پانے میں کامیاب نہ ہوجائے، اپنی اسی فکر پر قائم رہے گا-- مغربی ممالک میں یہودیوں کی دوررس سازش کے مطابق اسلام کو بدنام کرنے، مسلمانوں کو تنہا کرنے عیسائی دنیا کو مسلمانوں سے ڈرانے، مغرب میں اسلام سے متعلق غلط فہمیاں کرنے اوران کو باقی رکھنے کے لئے جہاں دوسرے ذرائع اختیار کئے جارہے ہیں، وہیں تعلیم وتصنیف کو بھی اس کا ایک اہم وسیلہ بنایا جارہا ہے، تصنیف کا حال یہ ہے کہ مستشرقین کی ایک بڑی جماعت اسلام کے خلاف زہر اگلنے کے لئے تیار ہوچکی ہے، قرآن، حدیث، سیرت، فقہ اسلامی، قانون شریعت اور اسلام کا کوئی شعبہ نہیں، جو ان کے حملے سے محفوظ ہو، ایسے اعتراضات بھی دہرائے جاتے ہیں جن کے لئے کوئی بنیاد نہیں، انتہائی نامعتبر اور موضوع روایتوں کو بنیاد بنا کر اس پر اعتراض کی پوری عمارت کھڑی کی جاتی ہے، جس بات کا جواب دیا جاچکا ہے، اسی کو بار بار دہرایا جاتا ہے؛ کیوں کہ ہتھیار اگر کند بھی ہو تو نہتے آدمی کو نقصان پہنچا سکتا ہے، اسی طرح اگر دلیل کمزور بھی ہو تو ناواقف اور بے خبر شخص کو متاثر کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔

مغربی درسگاہیں بھی اس زہر سے محفوظ نہیں، اکثر یونیورسٹیوں میں اسلامک اسٹڈیز، مشرقی علوم اور عربی زبان کے جو شعبے قائم ہیں، وہ شب وروز اسی مہم میں لگے ہوئے ہیں، عجیب بات ہے کہ مغرب علم وتحقیق کے میدان میں بڑی بڑی مہمیں طے کر رہا ہے اور اصل حقیقت تک پہنچنے کے لئے کوشاں ہے؛ لیکن اسلام کے مطالعہ میں اصل مآخذ تک پہنچنے کے بجائے بالواسطہ مآخذ پر بھروسہ کیا جاتا ہے، مستشرقین کی تحریروں کو بنیاد بنایا جاتا ہے؛ حالاں کہ ان میں سے بہت سے لوگ وہ تھے، جو براہ راست عربی زبان سے واقف نہیں تھے، یہاں تک کہ پی ایچ ڈی ان لوگوں کی منظور کی جاتی ہے، جو اسلام کے خلاف کچھ نہ کچھ ضرور لکھیں، مشہور مصری فاضل ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کے پی ایچ ڈی کے مقالہ " السنة ومكانتها فى التشريع الإسلامى " کو یورپ کی ایک یونیورسٹی نے صرف اس لئے رد کر دیا کہ اس میں مستشرقین کی طرف سے حدیث کے مستند ہونے پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں، پوری قوت اور دلیل کے ساتھ ان کا جواب دیا گیا ہے اور اسلام کے خلاف کوئی بات نہیں لکھی گئی ہے، اس سے علم وتحقیق کے نام نہاد قدرداں مغربی اہل علم کی کم ظرفی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے!

یہ وبا آہستہ آہستہ مشرقی ملکوں میں بھی آرہی ہے، ہندوستان چوں کہ کثیر آبادی، ماہرین کی کثرت، ٹکنالوجی کی ترقی، معاشی پیش رفت اور مستحکم جمہوریت کی بنا پر ایشیاء کی ایک نمائندہ طاقت بن کر ابھر رہا ہے اور مستقبل کی سپر طاقت چین کو زیر کرنے کے لئے مغربی ممالک کی نظر میں ہندوستان کی بہت اہمیت ہے؛ اس لئے مغربی طاقتیں اپنی فکری دہشت گردی کو یہاں درآمد کرنے کے لئے بے چین ہیں اور بدقسمتی سے سنگھ پریوار کی صورت میں ایک ایسا گروہ یہاں موجود ہے، جس کی فکری قیادت کرنے والی شخصیتیں برطانوی دور میں بھی انگریزوں کی بہی خواہ تھیں، ان کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کے لئے انگریزوں نے استعمال کیا، برسر اقتدار یو پی اے کی اہم جماعت کانگریس پارٹی ایک نیشنل پارٹی ہے اور اپنی ایک تاریخ رکھتی ہے، اس پارٹی کے معماروں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا خواب دیکھا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ یہاں تمام مذاہب کے احترام کو ملحوظ رکھا جائے؛ لیکن بدقسمتی سے سنگھ پریوار کا ذہن رکھنے والے بہت سے لوگ شروع سے ہی اس پارٹی کا حصہ بنتے رہے ہیں اور موجودہ سیاست کا ایک مسلّمہ اصول ہے کہ اقتدار کی بڑھی ہوئی خواہش کے آگے اقدار کو قربان کر دینا چاہئے۔

ہندوستان میں شروع سے ہی سنگھ پریوار کے لوگوں نے نصاب تعلیم کو زہر آلود بنانے کی کوشش کی ہے اور کانگریس اس قدم کو کیا روکتی کہ خود ہی ان کا آلۂ کار بنتی رہی ہے، سنگھ پریوار کے

نزدیک شعبہ تعلیم پر اثر انداز ہونے کی کتنی زیادہ اہمیت ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جنتا پارٹی دور سے لے کر آج تک جہاں بھی بی جے پی حکومت میں شامل رہی، وزارت تعلیم کو اس نے اپنے ہاتھ میں رکھا اور جہاں ان کی حکومت قائم ہوئی، وہاں تو انہوں نے پوری طاقت کے ساتھ اس شعبہ کو اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی، اس کا نتیجہ ہے کہ تدریسی مواد تیار کرنے والے اکثر مصنفین اسی فکر کے سانچہ میں ڈھلے ہوئے ہیں؛ اس لئے مرکزی بورڈ سے لے کر مختلف ریاستوں کے تعلیمی بورڈ کی مرتب کردہ کتابوں تک ہر جگہ نصاب میں قابل اعتراض باتیں آتی رہتی ہیں۔

ریاست آندھرا پردیش میں ریاستی تدریسی پروگرام SSC سے موسوم ہے، ابھی چند دنوں پہلے سرکاری اسکول کے دو مسلمان اساتذہ اس پروگرام کے تحت سوشل اسٹڈیز پر پڑھائی جانے والی نویں اور ساتویں جماعت کی کتابیں لے کر آئے، جو انگریزی میں بھی ہیں اور ان کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، ان کتابوں کے زیادہ تر مرتبین اور نظر ثانی کرنے والے غیر مسلم حضرات ہیں، نویں جماعت کی کتاب میں اسلام کا تعارف کراتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اسلام کے چھ ارکان ہیں اور چھٹے رکن کی حیثیت سے ''جہاد'' کا ذکر کیا گیا ہے، یہ غلط بھی ہے اور اس کا مقصد اسلام کے بارے میں لوگوں کو بدگمان کرنا بھی ہے؛ غلط اس لئے کہ اگرچہ جہاد ایک اہم ترین عبادت ہے؛ لیکن اسلام کے جو پانچ ارکان حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں، جہاد ان میں شامل نہیں ہے، اور بدگمان کرنے والی بات اس لئے ہے کہ جہاد کا اصل مقصد تو ظالموں کو ظلم سے روکنا اور مظلوموں کی مدد کرنا ہے؛ لیکن آج غیر مسلم بھائیوں کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی گئی ہے کہ جہاد نام ہے کافروں سے لڑنے کا، اب ظاہر ہے کہ جب غیر مسلم طلباء اسلام کا یہ تعارف پڑھیں گے تو ان میں مسلمانوں سے متعلق ضرور نفرت انگیز سوچ پیدا ہوگی۔

ساتویں جماعت کی کتاب میں اسلام کا تعارف کراتے ہوئے صوفیاء کی خدمات کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ انہوں نے شریعت کو مسترد کر دیا تھا، وہ شدت پسندی کے قائل نہیں تھے اور اسی میں یہ بات بھی ہے کہ صوفیاء گانے اور ڈانس کو جائز قرار دیتے تھے، ---اس سے صاف ظاہر ہے کہ گویا اسلام شدت پسندی کا مذہب ہے اور صوفیہ کے نزدیک شریعت معتبر نہیں ہے، یہ صحیح ہے کہ بہت سے صوفیہ نے سماع کو جائز قرار دیا ہے اور اگر کسی پر بے اختیاری کے عالم میں وجد کی کیفیت طاری ہو جائے تو انہوں نے اس کی اجازت دی ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ حمدیہ اور نعتیہ اشعار کو سننا الگ چیز ہے اور گانا بجانا الگ چیز، کسی شعر سے متأثر ہو کر اللہ اور اس کے رسول سے عشق کی ایسی کیفیت پیدا ہو جائے کہ وہ وارفتگی کے عالم میں آجائے، یہ الگ بات ہے، ناچنا تھرکنا دوسری چیز ہے، اس طرح کی اور بھی قابل اعتراض باتیں کتاب میں لکھی گئی ہیں، چند ماہ پہلے کی بات ہے کہ جن ریاستوں میں بی جے پی کی حکومت ہے یا جہاں حکومت میں بی جے پی شامل ہے، وہاں سرکاری طور پر ''سوریہ نمسکار'' کرنے کی ہدایت جاری کی گئی، جس کا حاصل سورج کی پرستش ہے، اسی طرح بعض ریاستوں میں اسکولوں کے اندر سرسوتی جی کی مورتی رکھی گئی ہے اور تمام طلبہ وطالبات کو اس پر پانی ڈالنا اور پھول چڑھانا پڑتا ہے، وندے ماترم ملک کے مختلف اسکولوں میں پڑھایا جاتا ہے اور افسوس کی بات ہے کہ یہ سب کچھ سرکاری اسکولوں میں بھی ہو رہا ہے، غرض کہ اسکولوں میں نصاب تعلیم اور ماحول کے ذریعہ طلبہ وطالبات کو نہ صرف ہندوانہ تصورات سے قریب کیا جا رہا ہے؛ بلکہ اسلام کے خلاف غلط فہمیاں بھی پیدا کی جا رہی ہیں۔

یہ تو وہ باتیں ہیں، جنہیں دیکھا اور محسوس کیا جاسکتا ہے؛ لیکن اساتذہ کی گفتگو اور درس کے دوران ان کی طرف سے پیش

کی جانے والی وضاحتیں سننے پڑھنے کے لئے موجود نہیں ہوتیں، اگر استاذ کا ذہن صاف نہ ہو اور وہ درس کے دوران اس قسم کی باتیں کہے تو اس کا نقصان کتابوں سے بھی بڑھ جاتا ہے، مجھ سے کچھ عرصہ پہلے بی اے کی ایک مسلمان طالبہ نے برقعہ کے بارے میں سوال کیا اور ایک معروف کالج کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ وہاں معلّمہ نے مسلمان طالبات سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ برقعہ اسلام میں نہیں ہے، مغل دور حکومت میں عورتوں کو زبردستی اٹھالیا جاتا تھا اور ان کے ساتھ زیادتی کی جاتی تھی ؛ اس لئے عورتوں نے چہرہ ڈھکنا شروع کیا، آج کے دور میں تمہیں اس کی ضرورت نہیں ہے، سوچئے کہ یہ کتنی خطرناک بات ہے، اس سے ایک طرف مسلمان لڑکیوں کا ذہن بنے گا کہ اسلام میں سر سے پاؤں تک پردہ کا حکم نہیں، دوسری طرف مسلمانوں کی یہ تاریخ سامنے آئے گی کہ وہ ایسے چور اور لٹیرے تھے کہ نہ لوگوں کی جان و مال ان کے ہاتھ محفوظ تھی اور نہ عزت وآبرو۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ چند واقعات جو سامنے آئے ہیں، ان بے شمار واقعات میں سے چند ہیں، جو پیش آتے رہتے ہیں، کوشش کی جارہی ہے کہ ہمارے ملک کے پورے نظام تعلیم کو زعفرانی رنگ دیا جائے اور ایسا نصاب تعلیم مرتب کیا جائے جو مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز مواد پر مشتمل ہو اور مسلمان یکا وتنہا ہو جائیں، اگر اس مسئلہ کو حل نہیں کیا گیا تو نہ صرف غیر مسلم بھائیوں پر بلکہ خود مسلمانوں کی نئی نسل پر بھی بڑے منفی اثرات مرتب ہوں گے؛ اس لئے ضرورت ہے کہ مختلف ریاستوں میں ریاست گیر سطح پر بھی اور ہندوستان کی سطح پر بھی ایک ایسا ادارہ قائم ہو، جس میں کچھ لوگ اسی کام پر مأمور ہوں کہ وہ پرائمری کی سطح سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک نصاب تعلیم کا جائزہ لیتے رہیں، حکومت کی طرف سے آنے والی ہدایات پر نظر رکھیں، ذرائع ابلاغ تک اِن معلومات کو پہنچائیں، ملت کی اہم شخصیتوں اور نمائندہ لوگوں کو باخبر رکھیں، حکومت کے صیغۂ تعلیم سے ربط رکھتے ہوئے ایسی باتوں کی اصلاح کرائیں، اعلیٰ سرکاری عہدہ داروں، عوامی نمائندوں اور سیکولر سیاسی پارٹی کے قائدین تک ان کی تفصیلات کو پہنچائیں اور پوری توجہ اسی کام پر یکسو رکھیں، اگر کچھ افراد یا مختلف ملی تنظیمیں مل کر باہمی اشتراک سے ایسا کوئی ادارہ قائم کرنے میں کامیاب ہوں، اور اس کی رپورٹ کی روشنی میں تمام مسلم تنظیمیں صدائے احتجاج بلند کریں، مسلم ممبران پارلیامنٹ واسمبلی اس رپورٹ کی بنیاد پر ایوان قانون تک اپنی بات پہنچائیں اور مسلمان وکلاء حسبِ ضرورت عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹائیں، غرض کہ اس فتنہ کا مقابلہ کرنے میں ہمہ جہت کوششیں کی جائے تو امید کی جاسکتی ہے کہ ہم فسطائی سازشوں کا مقابلہ کرسکیں گے، یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اور اگر اس سے غفلت برتی گئی تو اس کے نقصانات اتنے گہرے اور دوررس ہوں گے کہ شاید ان کی تلافی ممکن نہ ہو۔

اتراکھنڈ کی وادیوں میں دینی تعلیم وتربیت کی
ایک معیاری درس گاہ
دارالعلوم صدیقیہ
چکروتہ روڈ، جیون گڑھ، پوسٹ امباڑی
ضلع دہرہ دون (اتراکھنڈ)
قاری محمد ساجد [ناظم]
Mob: 9897731071
قاری محمد شرافت [نائب ناظم]

نسیم ہدایت کے جھونکے

مولوی محمد عمیر سے ایک ملاقات

احمد اوّاہ ندوی

احمد اوّاہ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولوی محمد عمیر: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

س: مولوی عمیر صاحب! آپ کی پڑھائی کیسی چل رہی ہے، افتاء کے بعد آپ کا کیا ارادہ ہے؟

ج: الحمد للہ بہت اچھی چل رہی ہے، میں حضرت کی مرضی سے افتاء کررہا ہوں اور زیادہ تر فقہ الدعوۃ میرا موضوع رہتا ہے، اصل میں میدان دعوت میں جو مسائل پیش آتے ہیں، عام مفتیان کرام کے لئے ان کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے، اور جب دعوت کا کام کرنے والے یا نومسلم حضرات عام مفتی صاحبان سے مسئلہ معلوم کرتے ہیں تو پھر بہت مشکلات پیدا ہوجاتی ہیں، بلکہ بعض مرتبہ دعوتی راستے بالکل مسدود سے ہوجاتے ہیں اس لئے میں دہلی میں مختلف مفتیان کرام کے پاس الگ الگ وقت دے رہا ہوں، افتاء کے بعد وہی ارادہ ہے جو اس غلام کو میرے آقا کا حکم ہے، بقول ہمارے حضرت غلام کا بھی کوئی ارادہ یا مرضی ہوتی ہے، بندہ کا ارادہ اور مرضی تو بس آقا کے حکم کی تعمیل ہے، آقا کا حکم ہے:

کنتم خیر امة اخرجت للناس

[تم خیر امت ہو جسے لوگوں کی خیر خواہی کے لئے نکالا گیا ہے]

تو ایک مسلمان بندہ، وہ بھی جس کو میرے رب کریم نے کیسے ناز کے ساتھ مسلمان بنایا ہے، یعنی فرمانبردار بنایا ہے، اسے تو انشاء اللہ دعوت کا کام کرنا ہے۔

س: میرا معلوم کرنے کا مقصد یہ تھا کہ کوئی میدان دعوت کا طے ہوا ہے یا نہیں؟

ج: میرے حضرت مجھے کچھ افریقی ملکوں کی طرف بھیجنے کی سوچ رہے ہیں، اگر اللہ نے توفیق عطا فرمائی تو۔

س: آپ نے دعوتی فقہ پر جو کام کیا ہے، اس کو کتابی شکل میں مرتب بھی کرنے کا ارادہ ہے؟

ج: جی ہاں، الحمد للہ، ۱۲۰۰/سو صفحات تقریباً ہوگئے ہیں حضرت نے فرمایا کہ اسے انشاء اللہ کتابی شکل میں شائع کردیں گے۔

س: آپ اپنا ذرا تعارف کرائیے؟

ج: میرا تعارف تو بس وہ ہے جو چار روز پہلے ایک جلسہ میں میرے حضرت نے کرایا تھا، ہم لوگ مغربی دہلی میں ایک پروگرام میں حضرت کے ساتھ گئے تو ناظم جلسہ نے جو ایک بڑے عالم تھے، حضرت کے تعارف میں بڑے الفاظ کہے، حضرت نے تقریر شروع کی تو فرمایا کہ ایک بڑے عالم دین کی بات کی تردید تو بے ادبی ہے، میں ایسے میں جب کوئی عالم دین اچھے کلمات کہہ رہے ہوں تو ان کلمات کو دعا سمجھ کر دل دل میں آمین کہتا رہتا ہوں، اور مجھے اپنے خالق کی وہ بات یاد آجاتی ہے جو ہمارے تعارف میں خود بنانے والے نے کہی ہے، ہمارے بنانے والے سے زیادہ ہمیں اور کون جان سکتا ہے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

یاایھاالناس انتم الفقراء الی اللہ (سورہ فاطر:۱۵)

تم سب میرے بھکاری اور بھک منگے ہو، بھکاری کا بھی کوئی تعارف ہوتا ہے، حضرت نے بڑے مزہ کی بات کہی، اس سال ایک روز نماز میں امام صاحب سورہ نجم پڑھ رہے تھے، بڑا اچھا لگا، اللہ تعالی کیسے مزہ لے کر ہماری قلعی کھول رہے ہیں:

ھو اعلم بکم اذ انشأکم من الارض، واذ انتم اجِنّۃ فی بطون امھاتکم، فلا تزکّوا انفسکم، ھو اعلم بمن اتقیٰ (سورہ نجم:۳۲)

وہ جانتا ہے جب تم کو اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا، اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے، پس تم اپنی پاکیزگی آپ بیان نہ کرو، وہی پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے

ایسا لگا جیسے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہوں، کیوں شیخی بگھارتے ہو، کیا ہم نہیں جانتے جب تم ماں کے پیٹ میں حیض کا گندہ خون کھا کر پل رہے تھے، پاکی نہ بگھارو، اللہ خوب جانتے ہیں تم میں سے کون پاک باز ہے۔ اصل تعارف تو مولانا احمد صاحب ہمارا یہ ہے جو ہمارے خالق نے کرادیا ہے۔

س: ماشاء اللہ بڑے مزہ کی بات ہے، مگر پھر بھی خاندانی پتہ وغیرہ تو بتایا ہی جاتا ہے؟

ج: میرا نام اب الحمد للہ محمد عمیر ہے، پرانا نام میرے والد نے جو رکھا تھا، کل دیپ سنگھ تھا، میں سہارن پور ضلع کے ایک جاٹ خاندان میں ۱۶/جنوری ۱۹۹۳ء میں پیدا ہوا، پتاجی بڑے زمین دار تھے، میرا گاؤں جاٹ کاشتکاروں کا مشہور گاؤں ہے، میرے چار بڑے بھائی اور دو بہنیں ہیں، میں سب بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہوں۔

س: اپنے اسلام قبول کرنے کے بارے میں بتائیں گے؟

ج: میرے اسلام قبول کرنے کی کوئی قابل ذکر بات ہی نہیں، بس اللہ تعالیٰ نے، جو ہر پیدا ہونے والے کو دین فطرت اسلام پر پیدا فرماتے ہیں، والدین کے گویا ہندو بنانے سے پہلے مجھے بچالیا، ہوا یوں کہ گاؤں کے پرائمری اسکول میں میں پڑھتا تھا میرے ساتھ ایک لڑکا پڑھنے میں بہت ہوشیار تھا، کلاس میں پوزیشن لاتا تھا، محمد عثمان اس کا نام تھا، اس کے ابا جان تبلیغی جماعت سے جڑے ہوئے تھے، میں کبھی کبھی اپنے اسکول کا کام پورا کرنے کے لئے اس کے گھر جایا کرتا تھا، اس کے گھر میں شام کی نماز کے بعد فضائل اعمال کی تعلیم ہوتی تھی، میں بھی اس میں بیٹھ جاتا تھا، وہاں تعلیم اس کی بڑی بہن کرتی تھی، جو اردو نہیں جانتی تھی، بلکہ وہ ہندی کی کتاب سے تعلیم کرتی تھی، وہ کتاب میں بھی اٹھا کر پڑھنے لگا، چوتھی اور پانچویں کلاس میں میں نے پوری فضائل اعمال پہلا اور دوسرا حصہ یعنی فضائل صدقات کئی بار پڑھ لی، اور پھر میں نے مسلمان ہونے کا ارادہ کرلیا، عثمان کے ابا جی سے مسلمان ہونے کے لئے کہا، انھوں نے مجھے سمجھایا ابھی تم بچہ ہو، بڑے ہو کر اپنے گھر والوں کو سمجھا کر ان کے ساتھ مسلمان ہونا اچھا رہے گا، مگر میں نے ان سے کہا، اگر اس وقت تک میری موت آجائے گی تو میں دوزخ میں جلوں گا، میں انتظار نہیں کرسکتا، ایک روز وہ مجھے بہت دیر تک سمجھاتے رہے، اور جب میں نے ان سے کہا کہ آج ہی مجھے مسلمان ہونا ہے تو وہ مجھے پکڑ کر میرے گھر میرے پتاجی کے پاس لے گئے اور سارا ماجرا ان کو بتایا، میرے پتاجی نے مجھے بہت پیار سے سمجھایا، بیٹا مسلمان ایسے ہوتے ہیں ویسے ہوتے ہیں، یہ مانس (گوشت) کھاتے ہیں، مگر میں نے حکایت الصحابہ پڑھ رکھی تھی، میں نے دل میں ٹھان لی کہ مجھے حضرت بلال کی طرح مسلمان بننا ہے، چاہے مجھے تپتی ریت پر ڈال کر گھسیٹا جائے، یا حضرت خبابؓ کی طرح مجھے آگ پر لٹایا جائے، مجھے اپنے نبی ﷺ کے ساتھ جنت میں رہنا نصیب ہوگا، گھر والوں نے مجھے بہت دھمکایا ڈرایا، میری ماں نے بھی پیار سے بہت سمجھایا میں نے اپنے اللہ کو حاضر ناظر جان کر خود مسلمان ہونے کے کلمہ کا اقرار کرلیا، اور اپنا نام محمد عمیر، مصعب بن عمیرؓ کے نام پر رکھ لیا۔

س: تعجب ہے آپ نے خود ہی کلمہ پڑھا، آپ کو کیسے یہ خیال ہوا کہ آدمی خود ہی مسلمان ہوسکتا ہے؟

ج: فضائل اعمال مسلسل پڑھنے سے اسلام اور ایمان کی حقیقت میرے اللہ نے مجھے سمجھا دی، میں نے امام صاحب اور

بعض دوسرے مسلمانوں سے کلمہ پڑھوانے کو کہا لیکن سب لوگوں نے منع کر دیا، پھر میں نے خود ہی کلمہ پڑھ لیا، اب مجھے نماز وغیرہ پڑھنے کا شوق ہوا، اپنے گھر رہ کر میرے لئے اسلام پر چلنا مشکل تھا، تو میں نے پھر ہمت کرنے کی سوچی، اور ایک روز دو جوڑے کپڑے لے کر میں گھر سے بھاگ نکلا، ہمارے گاؤں سے بیس کلو میٹر دور ایک مشہور شہر میں بڑا مدرسہ ہے اور کئی چھوٹے مدرسے ہیں، میں ایک چھوٹے مدرسہ میں گیا، جہاں کے مہتمم صاحب دعوت سے ذرا تعلق رکھتے ہیں، میں گاؤں سے نکلا تو اپنے ماں باپ کو تصور میں کہہ دیا کہ جو میرے ماں باپ میرے دین اور ایمان میں رکاوٹ ہیں، وہ میرے ماں باپ نہیں ہو سکتے، میرے لئے آج سے وہ مر گئے، میں مدرسہ کے مہتمم صاحب کے پاس گیا اور بولا، میرے ماں باپ اور کوئی رشتہ دار نہیں ہیں، میں پڑھنا چاہتا ہوں، انھوں نے کہا تمھارے ماں باپ کا کیا ہوا؟ میں نے کہا وہ اچانک مر گئے، مہتمم صاحب کو مجھ پر بہت ترس آیا، اور انھوں نے میرا داخلہ کر لیا، ان کے ایک دوست وہاں تھے، انھوں نے قاری صاحب سے کہا، کہ اس بچہ کے کپڑے وغیرہ کا خرچ میرے ذمہ ہے، میں نے وہاں شوق سے پڑھنا شروع کیا، پہلے نورانی قاعدہ پڑھا پھر عم کا پارہ، پھر درجہ حفظ میں داخلہ ہو گیا، ایک روز دوپہر کی چھٹی میں میں باہر کھیل رہا تھا، ہمارے گاؤں کے ایک پڑوسی مولوی صاحب کے پاس تعویذ لینے کے لئے آئے، انھوں نے مجھے دیکھ کر پہچان لیا، مجھ سے بولے تو چودھری فلاں کا لڑکا ہے، میں نے منع کر دیا، میں کیوں ہوتا، مگر وہ مجھے پکڑنے لگے اور بولے تیرے گھر والے تیرے لئے پاگل ہوئے جا رہے ہیں، میں بھاگا، وہ میرے پیچھے دوڑے، میں مدرسہ میں گھس کر دوسرے دروازہ سے نکل کر پڑوس کے مکان میں جا چھپا، انھوں نے جا کر گھر والوں کو بتا دیا، میرے چچا اور پتاجی ان کے ساتھ مجھے دیکھنے کے لئے آئے، میں مدرسہ میں پڑھ رہا تھا، پھر کیا تھا مدرسہ میں بھیڑ جمع ہو گئی، میرے چچا اور پتاجی نے مہتمم صاحب سے کہا یہ ہمارا بیٹا ہے، مہتمم صاحب نے کہا یہ تو کہتا ہے میرے ماں باپ کوئی نہیں، مہتمم صاحب نے مجھ سے پوچھا: میں نے کہا کہ میرے ماں باپ تو مر چکے ہیں، یہ غلط کہہ رہے ہیں، پورے شہر میں ہنگامہ ہو گیا، اس روز یہ کہہ کر چلے گئے کہ ہم نے پولیس میں ایف آئی آر کر رکھی ہے، اخباروں میں نکلوا رکھا ہے، ہم کل پولیس والوں کو لے کر آئیں گے، اگلے روز علاقہ میں ہنگامہ ہو گیا، کہ پانچ سو جاٹ مدرسہ اور شہر پر چڑھائی کریں گے، خود شہر کے لوگوں میں چرچا ہوا، لوگ کہنے لگے، کہ مولانا کلیم تو علاقہ میں آگ لگوا کر چھوڑیں گے؟

س: مولانا کلیم کا اس بات سے کیا تعلق تھا؟

ج: اصل میں حضرت اس مدرسہ میں آتے تھے، دو اور بھی نومسلم بچے اس مدرسہ میں داخل تھے۔

س: تو پھر جاٹ چڑھائی کرنے آئے تھے؟

ج: مہتمم صاحب نے حضرت سے بات کی، حضرت دور سفر میں تھے، حضرت نے مہتمم صاحب کو تسلی دی کہ اللہ تعالی نے اپنے کلام میں وکفی باللہ حسیبا کہا ہے، اللہ خود حفاظت فرمائیں گے، آپ اس بچہ کو سب کے سامنے کر دیں، اور یہ کہہ دیں کہ اگر یہ بچہ آپ کا ہے اور جانا چاہتا ہے تو آپ اس کو لے جائیں، اور اگر یہ بچہ خود نہ جانا چاہے تو ہم اس کو اپنے پاس سے دھکا نہیں دے سکتے۔ اگلے روز پورے شہر میں بڑا ہنگامہ تھا، پورے علاقہ کے افسران ایس ایس پی، تھانہ انچارج، ایم ایل اے، ایم پی، چیرمین، ہمارے گاؤں کے سیکڑوں لوگ مدرسہ میں جمع ہوئے، مہتمم صاحب نے مجھے سامنے کر دیا، اگر واقعی آپ لوگ اس کے ماں باپ ہیں اور یہ بچہ جانا چاہتا ہے، تو آپ اس کو لے جائیں، اور اگر یہ آپ کو نہ پہچانے تو پھر آپ کو اس کو زبردستی لے جانے کا کوئی حق نہیں، بچہ نے تو یہ بتایا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور میرے

ماں باپ مرگئے، میرے پتاجی نے محبت سے مجھ سے پوچھا، بیٹا ہم تیرے ماں باپ نہیں ہیں کیا؟ میں نے کہا اگر آپ مسلمان ہوجائیں تو آپ میرے ماں باپ ہیں اگر آپ مسلمان نہیں ہوتے تو آپ سے میری کوئی رشتہ داری نہیں، میرا جواب سن کر میرے چچا بہت غصہ میں آگئے، اور انھوں نے بہت زور سے میرے چانٹا مارا، چانٹا مارنا تھا کہ ایس ایس پی صاحب کو طیش آگیا اور میرے چچا کو بہت بری طرح ڈانٹا، بولے کہ اگر اب ہاتھ اٹھایا تو ہاتھ کٹوادوں گا، سمجھانے کے لئے وہ لوگ مجھے اپنی طرف یعنی گاؤں کے لوگوں میں لے جانا چاہتے تھے، میں جانے سے منع کررہا تھا، کہ مجھ سے جو بات کرنی ہو، ادھر ہی کرو، تین چار گھنٹے تک بات ہوتی رہی، کبھی ماحول بہت گرم ہوجاتا پھر کسی طرح ٹھنڈا ہوجاتا، وہ مجھے لے جانے کی کوشش کرتے رہے، اور جب میں نے سختی سے منع کردیا میرے پتاجی نے کہا آخری بات سن لے، اگر تو ہمارے ساتھ آج نہیں جاتا ہے تو سمجھ لے ہم سب ہمیشہ کے لئے مرگئے، میں نے کہا بالکل ٹھیک ہے، مجھ سے تو آپ سب جب مرگئے تھے، جب میں گھر چھوڑ کر آیا تھا، میری یہ بات سن کر میرے پتاجی اور چچا نے تین بار تھوک کر جوش میں کہا ہم سے تو مرگیا، مرگیا، مرگیا، میں نے کہا: شوق سے، شوق سے، شوق سے، میں نے بھی تین بار جواب میں تھوک دیا۔

س: پھر اس کے بعد کیا ہوا؟

ج: سب لوگ چلے گئے، اگلے روز حضرت سفر سے واپس پھلت آئے، تو چونکہ دن بھر لوگوں کے فون ان کے پاس آرہے تھے، پھلت سے حضرت ہمارے مدرسہ آئے، مہتمم صاحب نے پورے دن کے ہنگامہ کی روداد سنائی اور یہ بتایا کہ اس کے چچا کے چانٹا مارنے کی وجہ سے سارے افسروں کی ہم دردی اس بچہ کے ساتھ ہوگئی اور اللہ کی طرف سے واقعی وکفی باللہ حسیبا کی مدد سامنے آئی۔

مہتمم صاحب نے بتایا کہ اس پورے ہنگامہ میں جب سارے دین دار اور پڑھے لکھے عالم اور دوسرے لوگ ہمیں ادھر ادھر کی باتیں بتارہے تھے، ایک چودھری صاحب جو بی جے پی کے نیتا ہیں، اور بس نام کے مسلمان سمجھے جاتے ہیں عید بقرعید کی نماز بھی بس لوگوں کے دکھانے کے لئے پڑھتے ہیں اس ہنگامہ میں انھوں نے ہمارا بہت ساتھ دیا، اور لوگوں اور انتظامیہ کو بڑی حکمت کے ساتھ سمجھایا، مہتمم صاحب نے حضرت سے کہا آپ ذرا ان کا فون پر شکریہ ادا کردیں، حضرت نے ان کو فون ملایا، اتفاق سے وہ ابھی اپنے عزیز کے گھر رکے ہوئے تھے، حضرت کا فون آیا تو بہت خوش ہوئے اور بولے، میں تو آپ سے ملنے پھلت آنا چاہتا ہوں، آپ پھلت کب ملیں گے، حضرت نے فرمایا میں ابھی یہاں مدرسہ میں ہوں، وہ بولے میں میں ملنے کے لئے آجاؤں، حضرت نے فرمایا ضرور آیئے، چودھری صاحب کو حضرت نے بہت مبارک باد دی، کہ اللہ تعالی نے آپ سے ایسا مشکل مسئلہ اتنی آسانی سے حل کرادیا، پھر حضرت نے معلوم کیا، چودھری صاحب آپ کے پاس کتنی زمین ہے؟ بولے مالک کا شکر ہے پانچ سو بیگہ ہے، حضرت نے پوچھا آپ کے کتنے بیٹے ہیں، بولے چار بیٹے ہیں، حضرت نے فرمایا چار تو کم ہیں حساب سے پانچ ہونے چاہئیں، وہ بولے حضرت سمجھ میں نہیں آیا آپ کہنا کیا چاہتے ہیں، حضرت نے فرمایا اب اس بچہ عمیر کو آپ نے اس کے ماں باپ سے چھڑایا ہے، اس کو کون گلے لگائے گا؟ یہ آپ کا پانچواں بیٹا ہے۔ چودھری صاحب نے مجھے بھینچ کر سینہ سے چمٹالیا اور روتے ہوئے بولے حضرت یہ میرا پہلا بیٹا ہے، وہ چار بعد میں ہیں یہ کہہ کر مہتمم صاحب سے اجازت لے کر گاڑی میں بٹھایا اور بولے ہمارے یہاں ایک بہت اچھا اور مشہور مدرسہ ہے ہم وہاں تمھارا داخلہ کرائیں گے، وہاں جاکر میرا داخلہ کرایا، میں گھر میں روزانہ فضائل اعمال کی تعلیم کرتا، اللہ کا شکر ہے کہ گھر میں دین داری آنے لگی، چودھری صاحب جو میرے اباجان ہیں انھوں نے بی

جے پی چھوڑ دی، مسلمانوں کا مذاق اڑانے والے خود حاجی اور نمازی ہوگئے، میرے چار بھائیوں اور سب گھر کے لوگوں نے حج کرلیا، داڑھیاں رکھ لیں، چاروں بھائیوں نے باری باری میرے ساتھ چلے لگائے، گھر میں کئی لوگ تہجد کے بھی پابند ہوگئے۔

س: تمھاری باقی تعلیم کہاں ہوئی؟

ج: حفظ اور مشکوٰۃ تک اسی مدرسہ میں، اور دورہ دارالعلوم سے کیا، الحمدللہ گھر کا ہر کام میرے مشورہ سے ہوتا ہے۔

س: ابی بتا رہے تھے کہ چودھری صاحب کے کاروباری حالات بھی بہت اچھے ہوگئے ہیں؟

ج: یہ بات حضرت بار بار فرماتے ہیں، اور واقعی بالکل صحیح فرماتے ہیں کہ وہ مسائل جن کو حل کرنے میں ہم دوسرے راستوں اور طریقوں سے جوجھ رہے ہیں، اور مسائل الجھتے جاتے ہیں، اگر سیرت پاک کے دروازے سے سنت کی راہ سے ہم حل کرنے کی کوشش کریں تو بالکل آسانی سے چٹکیوں میں حل ہوجاتے ہیں، دسترخوان اسلام پر آنے والے مہاجر نومسلم بھائیوں اور تعلیم و تربیت اور معاشرتی مسائل کا حل سنت مؤاخات کا احیاء سب سے آسان اور مکمل حل ہے، اس سے نہ صرف دربدر مارے مارے پھرنے والے ان مہاجر بھائیوں کے مسائل کا شان دار اور آسان حل نکل سکتا ہے، بلکہ مؤاخات کی سعادت حاصل کرنے والے انصار کی زندگی اور گھرانہ میں دین اور دعوت زندہ ہوجاتی ہے، ضمنی طور پر دنیوی حالات بھی حیرت ناک طریقہ سے ترقی کرجاتے ہیں، حضرت فرماتے ہیں، ایک واقعہ بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملتا کہ کسی مسلمان نے انصاری بن کر کسی مہاجر پر کچھ مال خرچ کیا ہو، اور اس کا بوجھ اپنے ذمہ لیا ہو، اور حیرت ناک انداز میں اس کے مالی حالات اچھے نہ ہوئے ہوں، ہمارے ابا جان اگرچہ بڑے زمین دار تھے، مگر کاروبار کو بار بار بڑھانے اور سیاست میں نقصان کی وجہ سے بینک کے قرض تلے دبے ہوئے تھے، ایک پیپر مل لگایا جو نہیں چل سکا، اس میں زمین گروی رکھی تھی، میرے جانے کے بعد ایک بڑے پیپر مل کے منیجر سے جنھوں نے سہارن پور سے مل چھوڑا تھا، ہمارے ابا جان نے، اس پیپر مل کو چلانے کے لئے پارٹنرشپ کی، اور انھوں نے خام مال کے طور پر گنے کی کھوئی استعمال کی، جس سے پیپر مل چل گیا، اور ایک کے بعد ایک تین مل لگالئے۔ اور چند سالوں میں کروڑوں روپئے کا نفع ہوا، ابا جان کہتے ہیں کہ ہمارے گھر میں سارا دین و دنیا عمیر کے آنے سے آیا، یہ سنت مؤاخات کی برکتیں ہیں جو کھلے آنکھوں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

س: آپ کے گھر والوں یعنی اصلی گھر والوں نے دوبارہ کوشش نہیں کی؟

ج: میری ماں کبھی کبھی مجھ سے چھپ کر ملنے آجاتی ہیں، اور پچھلے ہفتہ انھوں نے کلمہ پڑھ لیا ہے، ایک بھائی کو میں نے ابا جان سے کہہ کر پیپر مل میں ملازمت پر رکھوا دیا ہے، وہ بارہویں کلاس پاس ہے، مگر دعوت کی نیت سے ابا جان نے ان کو سپروائزر رکھ لیا ہے، امید ہے اللہ تعالیٰ کوئی راہ نکالیں گے۔

س: ابھی تمھاری شادی تو نہیں ہوئی؟

ج: اس سال میرے ابا جان نے میرا رشتہ طے کردیا ہے، ایک حافظہ عالمہ سے رشتہ طے ہوا ہے، اس سال عید کے بعد انشاء اللہ نکاح ہوگا۔

س: قارئین ارمغان کو آپ کوئی پیغام دیں گے؟

ج: میری درخواست تو بس یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کی ترقی و عروج اور اپنے مسائل کے حل کا سب سے آسان راستہ ہمارے نبی ﷺ کے لائے ہوئے دین اور سو فیصد سنت پر عمل کرنے میں ہے، ایسا دین چھوڑ کر دوسرے دروازوں اور طریقوں میں دھکے ہیں، ذلت ہے، مسائل ہیں، اور ان کے طریقہ پر چلنے سے مسائل چٹکیوں میں حل ہوتے ہیں، بقول شاعر:

ان کے نقش قدم پہ چلنے سے
منزلیں ٹھوکروں میں رہتی ہیں

مدارس کا نصاب اور نظام

حالات حاضرہ کے تناظر میں

مولانا شفیق احمد قاسمی.........جلالپور، امبیڈکر نگر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: بُعِثْتُ مُعَلِّماً میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں —— اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی اس میں پڑھنے، سیکھنے اور قلم کا تذکرہ کچھ اس انداز سے ہے کہ جس سے اس بات کا واضح اشارہ ملتا ہے کہ پڑھنا، پڑھانا، سیکھنا اور سکھانا یہ ہماری بنیادی اور اہم ضرورت ہے۔

پہلے تعلیم دینی و دنیاوی دو خانوں میں تقسیم نہیں تھی، لیکن آج دونوں کی تعلیم گاہیں الگ الگ ہیں، اور دونوں کا نصاب جدا، جدا دینی تعلیم کے لئے مدارس عربیہ ہیں اور دنیاوی تعلیم کے لئے کالج اور یونیورسٹیاں۔ ۹۶ فیصد بچے کالجوں میں تعلیم پاتے ہیں اور ۴ فیصد مدارس میں، اس بات کی تصدیق سچر کمیٹی کی سروے رپورٹ سے بھی ہوتی ہے۔

مدارس عربیہ کے نصاب تعلیم کے سلسلہ میں اکثر باتیں اٹھتی رہتی ہیں اور کبھی تو ان میں اس قدر شدت آجاتی ہے کہ بس خدا کی پناہ۔ ہمارا جدید تعلیم یافتہ اور دانشور طبقہ یہ چاہتا ہے کہ مدارس کو ماڈرنائز کر دیا جائے۔

میں عرض کروں گا کہ ہر انسٹی ٹیوشن کا اپنا دائرۂ کار ہوتا ہے جس میں رہ کر وہ کام انجام دیتا ہے، کوئی لاٗ کالج (Law Collage) کھولے تو یہ کہا جائے کہ وہاں منیجمنٹ (Manegment) کی تعلیم کیوں نہیں دی جاتی، کوئی ڈنٹل کالج (Dental Collage) کھولے تو یہ کہا جائے کہ اس کالج میں لاٗ (Law) کی تعلیم کیوں نہیں دی جاتی، کوئی ادارہ ہاسپٹیلٹی (Hasptality) کی تربیت دے رہا ہے تو یہ کہا جائے کہ وہ B.A اور M.A کی پڑھائی کیوں نہیں کرتے۔

اگر یہ باتیں بے جا اور نامناسب ہیں تو یقیناً یہ بات بھی بیجا اور نامناسب ہے کہ مدارس کو جدید علوم کا مرکز بنا دیا جائے۔

اگر مدارس کے قیام کے پس منظر، ان کے قیام کے مقاصد، اور ان کی غرض وغایت پر نظر ہوگی تو انھیں طعن وتشنیع کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔

ہم بہت پیچھے نہ جا کر موجودہ ہندوستانی مدارس کی بات کرتے ہیں جن کا سہرا دارالعلوم دیوبند اور مولانا محمد قاسم نانوتوی سے ملتا ہے۔

''لارڈ میکالے جو انگریزی دور حکومت میں ہندوستان کا وزیر تعلیم تھا اس نے کہا کہ ہم ایسی تعلیمی پالیسی لا رہے ہیں جس سے لوگ رنگ ونسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوں اور ذہن وخیال کے اعتبار سے یوروپین ہوں۔ اس وقت دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اٹھے اور انھوں نے کہا کہ ہم ایسے افراد تیار کریں گے جو رنگ ونسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوں اور فکر وذہن کے اعتبار سے مکی ومدنی ہوں۔

مدارس کے قیام کا مقصد دینی علوم کی تعلیم، ان کا فروغ، دین کا تحفظ اور اس کی بقا ہے، اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ مدارس کا قیام جن ضرورتوں کے لئے ہوا تھا کیا مدارس ان ضرورتوں کو پورا کر رہے ہیں؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ مدارس ان مقاصد اور ضرورتوں کو پورا کرنے میں صد فیصد کامیاب ہیں، آج دنیا میں اسلام کی جو روشنی نظر آتی ہے وہ انھیں مدارس کے فارغین کی بے پناہ جدوجہد کا نتیجہ اور ثمرہ ہے، اس پُر آشوب دور میں مسلمانوں میں خوف خدا، اور ان کے اندر احیائے دین واحیاءِ سنت کا جذبہ یہ دینی مدارس ہی

کی دین ہے——— دور دراز علاقے جہاں مدارس نہیں ہیں وہاں اس کھلی ہوئی حقیقت کو بآسانی دیکھا جاسکتا ہے ———

بقول شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کہ مدارس کو اپنے حال پر رہنے دیا جائے ورنہ جس طرح اندلس میں آج غرناطہ وقرطبہ اور الحمراء کے نشانات کے سوا کچھ باقی نہیں ہے اور اسلام ومسلمانوں کی تہذیب وتمدن کے سب آثار مٹ گئے، اسی طرح ہندوستان میں آگرہ کے تاج محل اور دہلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی شوکت وعظمت اور ان کی تہذیب وتمدن کا کوئی نشان باقی نہیں رہے گا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مدارس کو صرف ۴ فیصد طلباء ہی ملتے ہیں آخر لوگوں کو انھیں ۴ فیصد طلباء کی فکر کیوں ہے۔ ۹۶ فیصد طلباء تو جدید علوم سے آراستہ ہو ہی رہے ہیں——— اور یہ سوال بھی اپنی جگہ کم اہم نہیں ہے کہ کیا جس طرح ۴ فیصد طلباء کو جدید علوم سے آراستہ کرنے کی فکر لوگوں کو دامن گیر رہتی ہے کیا وہی فکر ۹۶ فیصد طلباء میں دین لانے کی بھی ہے۔ اہل مدارس یہ تو نہیں کہتے کہ کالجوں میں تفسیر پڑھائی جائے، حدیث وفقہ اور دوسرے اسلامی علوم پڑھائے جائیں، تو پھر مدارس کو عصری علوم نہ پڑھانے کے سلسلہ میں کیوں مطعون کیا جاتا ہے۔

جس طرح زندہ رہنے کے لئے ہوا، پانی اور غذا کی ضرورت ہے اسی طرح مسلمان ہونے کی حیثیت سے ایمان و عقیدہ کے تحفظ کے لئے دینی تعلیم وتربیت کی ضرورت ہے، اس لئے بلاشبہ دینی مدارس مسلم معاشرہ کی بنیادی ضرورت ہیں، اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مدارس وعلماء ہی دین کے تحفظ اور اس کی بقا کا ستون اور اس کا اہم وبنیادی کردار ہیں۔ مغربی طاقتیں اس بات کو بخوبی سمجھتی ہیں کہ جب تک علماء اور مدارس رہیں گے ہمیں اپنے مشن میں کامیابی نہیں مل سکتی۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ترجمان، پندرہ روزہ تعمیر حیات ۱۵؍جولائی ۱۹۹۵ء کی اشاعت میں ایک مضمون ہے:

’’مسلمانوں کو علمی اور فکری طور پر دین سے دور کرنے کی مغربی سازش‘‘

——— مضمون نگار حضرت مولانا سید واضح رشید ندوی دامت برکاتہم ہیں، فاضل مضمون نگار نے اپنے گرانقدر مضمون میں عیسائی مبلغ ڈاکٹر وطسن کا قول نقل کیا ہے:

’’جب ہم مدارس اسلامیہ میں قرآنی مشن کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ان مدارس سے یکبارگی خطرے کا سیلاب امنڈتا ہوا نظر آتا ہے، کیوں کہ قرآن اور تاریخ اسلام یہ دو ایسے عظیم اور انقلاب انگیز خطرے ہیں جو تبلیغ عیسائیت کی سیاست کے لئے خوف ودل گرفتگی اور دہشت وسراسیمگی کا باعث ہیں۔‘‘

جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے اور سچائی وہ ہے جس کا دشمن بھی اعتراف کرے۔

مدارس دینیہ یقیناً اسلام کے مضبوط قلعے اور اس کی باعظمت چھاؤنیاں ہیں اور خصوصیت کے ساتھ ہندوستان میں دین کی بقا اور اس کے تحفظ کے سلسلہ میں دینی مدارس کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، ہر وہ بات جو اسلام کے خلاف ہو چاہے وہ کسی فرقہ یا تنظیم کی جانب سے ہو یا حکومت کی جانب سے، اس کے جواب اور اس کے سدباب کے لئے یہی علماء مدارس ہی سامنے آتے ہیں اور مسلمانوں کو اس کے خطرات سے آگاہ کرتے ہیں——— اس لئے اس فکر وخیال کو عام کیا جارہا ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کو برگشتہ کرکے ان کا رابطہ علماء اور مدارس سے ختم کردیا جائے۔

آج لوگوں نے کمانے اور کھانے کو تعلیم کا اولین مقصد بنالیا ہے——— جو حضرات مدارس میں تبدیلئ نصاب کی وکالت زیادہ کرتے ہیں ان کے پیش نظر فارغین مدارس کے معاشی مسائل ہی زیادہ ہوتے ہیں، حالانکہ ایسے لوگوں کو فارغین کالجز کی جانب زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ فارغین کالجز کے

معاشی مسائل فارغین مدارس سے کہیں زیادہ ہیں، ان میں بے کاری بھی زیادہ ہے اور سماجی برائیاں بھی۔

مدارس میں تبدیلی نصاب کی بات کرنے والے بہت سے حضرات بلاشبہ مخلص بھی ہیں، ان کی باتیں انتہائی اخلاص پر مبنی ہوتی ہیں، وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ حضرات علماء کرام اور مدارس سے فارغ ہونے والے طلباء دین وایمان پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں اور مدارس کے نصاب میں کچھ ایسی جزوی ترمیم کرلیں جس سے ان کی افادیت میں اور اضافہ ہوجائے ——— ایسے لوگ بہرحال قابل قدر ہیں اور ان کی گذارشات قابل توجہ۔

ہمارے کچھ علماء کرام جدید علوم کو اسلام کے لئے ضرر رساں تصور کرتے ہیں اور اسے شجر ممنوعہ سمجھتے ہیں میرے خیال سے یہ سوچ صحیح نہیں ہے ——— ہونا یہ چاہئے کہ ہر علم ضروری کو حاصل کیا جائے اور اس کے مضر اثرات سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

پارہ نمبر ۱۰ سورہ انفال کی آیت وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَااسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ۔

''اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کرو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے''

مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ کے سلسلہ میں ترجمہ شیخ الہند میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ فرماتے ہیں:

یعنی خدا پر بھروسہ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اسباب ضروریہ مشروعیہ کو ترک کردیا جائے بلکہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامان جہاد فراہم کریں ——— نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا سامان جہاد تھا، آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، آہن پوش کروز وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنون حربیہ کا سیکھنا بلکہ ورزش وغیرہ کرنا سب سامان جہاد ہے، اسی طرح آئندہ جو اسلحہ اور آلات حرب وضرب تیار ہوں انشاء اللہ وہ سب آیت کے منشاء میں داخل ہوں گے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ باتیں ہمیں لمحۂ فکریہ دیتی ہیں اور ہمارے دل ودماغ کی گرہوں کو کھول دینے کے لئے کافی ہیں۔

آج لڑائی کا جو انداز ہے اور جس طرح کے اسلحے استعمال کئے جاتے ہیں ان کو تیار کرنے اور انھیں استعمال کرنے کے لئے سائنس اور انگریزی کی تعلیم ضروری ہے، بغیر سائنس اور انگریزی کی تعلیم حاصل کئے نہ ہم سامان جہاد تیار کرسکتے ہیں اور نہ انھیں استعمال کرسکتے ہیں۔

کافی غور وخوض اور مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دونوں جانب کچھ شدت ہے۔ جو لوگ مدارس کو ماڈرنائز کرنا چاہتے ہیں اور جو لوگ مدارس کے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم میں تبدیلی کو شجر ممنوعہ سمجھتے ہیں، دونوں کو قریب آنا چاہئے اور جانبین کے لوگوں کو کچھ نرمی پیدا کرنی چاہئے اور مل بیٹھ کر ایسا لائحہ عمل تیار کرنا چاہئے جس سے اسلام، اسلامیت اور اسلامی تعلیم پر بھی کوئی آنچ نہ آئے اور مدارس کو بھی زیادہ سے زیادہ فعال اور متحرک بنایا جاسکے۔ آج مسلمانوں کو ایک ایسے نصاب تعلیم کی ضرورت ہے جو ان کو دین سے بھی وابستہ رکھے اور ان میں زمانہ کے تقاضوں اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت بھی پیدا کرے۔

اس عظیم اور انقلابی مقصد کے لئے علماء کرام اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو خلوص نیت اور صدق دل سے سرجوڑ کر بیٹھنا اور علوم دینیہ اور علوم عصریہ پر مشتمل ایک جامع نصاب تعلیم تیار کرنا ہوگا۔

میں عمر کی چھ دہائیاں پوری کرچکا ہوں اور اب تک کی زندگی مدرسہ ہی میں گذری ہے، تعلیم وتعلم ہی کام رہا ہے، اور سیکھنا، سکھانا ہی مشغلہ، طلباء اور علماء ہی میرے ہم سفر رہے ہیں

(اور خدا کرے آخری سانس تک یہ نسبت باقی رہے)

اپنے دیرینہ تجربات کی روشنی میں اہل مدارس اور حضرات علماء کرام کی خدمت میں بڑے ادب واحترام کے ساتھ چند گذارشات پیش ہیں:

گذارشات:

● پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے مدارس میں بلڈنگیں بنانے اور طلبا کی تعداد زیادہ کرنے پر بڑی توجہ اور محنت ہوتی ہے ——— میں عرض کروں گا کہ بلڈنگیں بنانا اور طلباء کی تعداد زیادہ کرنا یہ کوئی بڑا کارنامہ نہیں ہے، دیکھنا یہ ہے کہ ہماری تعلیم اور ہماری تحریک کا معاشرہ پر کیا اثر ہو رہا ہے۔ صحابۂ کرام بغیر وسائل اور بغیر بہت بڑی تعداد کے جہاں گئے معاشرہ پر چھا گئے، آج مدارس کے پاس بلڈنگیں بہت زیادہ ہیں لیکن پاس پڑوس کا معاشرہ ویسا ہی ہے گالی، گلوج، بدکلامی وبے حیائی، دین سے دوری اور تعلیم سے عدم دلچسپی۔

● کچھ دوسرے اخراجات کو کم کرکے مدارس کے مدرسین وملازمین کی تنخواہوں کا معیار اچھا اور بہت اچھا کرنا چاہئے ورنہ ہوا کا جو رخ ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنے والے دنوں میں اچھی صلاحیت کے مدرسین وملازمین کا ملنا مشکل ہو جائے گا۔

● مدارس میں زجر اور تنبیہ زیادہ ہوتی ہے، طلباء میں علمی ذوق اور علمی شوق پیدا کرنے کی کوشش کم ہوتی ہے۔

● مدارس کے نصاب میں یکسانیت کی کوشش کی جائے۔

● مدارس میں تعطیل اور داخلوں کا جو نظام ہے اس پر نئے سرے سے غور وفکر کی ضرورت ہے۔

● طلباء کے اندر بہتر استعداد وصلاحیت کے لئے سالانہ امتحان کے اور بہتر طریقہ پر غور کرنا چاہئے۔

● مدارس میں طلباء سے پورے سال کوئی تحریری کام نہیں لیا جاتا (الا ماشاء اللہ) اور امتحان تحریری بھی لیا جاتا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ ان سے کبھی کبھی کچھ مضامین لکھائے جائیں اور کبھی امتحانی سوالوں کے جوابات کی مشق کرائی جائے۔

● دونوں فصلوں کی غلہ وصولی میں اساتذہ اور طلباء کا بڑا وقت لگ جاتا ہے جس سے تعلیم متاثر ہوتی ہے، اس کام کے لئے کسی اور بہتر طریقہ پر غور کیا جائے۔

● بڑے مدارس دیہاتوں میں چلنے والے مکاتب کی تعلیمی نگرانی کریں۔

● کچھ وہ علوم جو آج کل مدارس میں رائج ہیں ان میں صرف قیل وقال ہوتی ہے، ان کا فہم دین اور زندگی کے تجربات وعمل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ غور وفکر کرکے ان کا بدل تلاش کیا جائے۔

● اس وقت عربی مدارس میں منطق وفلسفہ کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، تجربات کی روشنی میں ان کے مضامین بے بنیاد ثابت ہو چکے ہیں، ایسے مضامین اور کتابوں کو پڑھانا اور حقائق نہیں مفروضات پر بحث کرنا تضیع اوقات معلوم ہوتا ہے۔

● منطق کی کتابیں ضرورت سے بہت زیادہ ہیں انھیں کم کرنا چاہئے۔

● تاریخ اسلام سے متعلق ہمارے طلباء کو بالکل معلومات نہیں ہوتیں، نصاب میں تاریخ اسلام سے متعلق کچھ کتابیں داخل کرکے اور ان کے اندر مطالعہ کی صلاحیت پیدا کرکے اس کمی کو دور کیا جا سکتا ہے۔

● مدارس عربیہ میں جو فقہی کتابیں داخل نصاب ہیں ان کی نئے سرے سے تدوین ہونی چاہئے ——— کنویں

میں چوہا گر جائے، بلی گر جائے تو کیا کرنا چاہئے وغیرہ وغیرہ جب یہ کتابیں ترتیب دی گئی تھیں اس وقت ان مسائل کی ضرورت تھی، آج ان کی جگہ نل، ٹونٹی اور ٹنکی وغیرہ کے مسائل کا تذکرہ ہونا چاہئے۔ یہ ایک مثال ہے ورنہ فقہ کی داخل نصاب کتابوں میں بہت زیادہ مسائل ایسے ہیں جواز کار رفتہ ہو چکے ہیں—— غیر ضروری مسائل جن کا اس زمانہ میں نہ کوئی کام ہے اور نہ کوئی ضرورت، ان کی جگہ جدید فقہی مسائل کی تعلیم ہونی چاہئے، آخر اپنی معاشرت میں ہم جدید چیزوں کا استعمال کرتے ہیں یا نہیں؟ آج چھپر کی جگہ بلڈنگوں نے لے لی ہے، خطوط لکھنے کے بجائے موبائل کا استعمال ہے، پیدل چلنے کے بجائے تیز رفتار سواریاں استعمال میں ہیں، لکڑی کی جگہ گیس چولھے نے لے لی ہے۔ ایک دو نہیں بلکہ فارسی و عربی کی متعدد کتابوں میں ہم انھیں مسائل کو برابر پڑھاتے چلے جا رہے ہیں جن کی شاید ہی کبھی کوئی ضرورت پیش آتی ہو، اور اس کے بالمقابل، گاڑیوں کی خریداری، انسانی اعضاء کی فروخت اور ان کی پیوندکاری L.I.C، شیر بازار، کاروبار کے نئے نئے طریقے، بلیڈ بینک میں خون کا دینا، خون بیچنا، مرد ڈاکٹر سے زچگی کا آپریشن کرانا اور بہت سے ایسے جدید مسائل ہیں جن کے بارے میں ہمارے علماء کی اکثریت کو کچھ نہیں معلوم ہوتا ہے۔

● ایسے ہی فقہ کی کتابوں میں زمانۂ قدیم کے ناپ تول کے پیمانوں کا ذکر ہے، سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہی سننے اور پڑھنے کو ملتا ہے، آج جو پیمانے رائج ہیں اگر درسی کتابوں میں ان کا تذکرہ ہو اور وہی پڑھے پڑھائے جائیں تو ظاہر ہے کہ اس میں نہ کوئی دقت ہے اور نہ کوئی شرعی قباحت بلکہ اس میں ایک نہیں کئی طرح کی آسانیاں ہیں۔

● ہمارے مدارس میں عربی پڑھانے کا جو طریقہ ہے وہ نہایت دشوار ہے، پہلے فارسی زبان میں مہارت پیدا کی جائے پھر فارسی کے ذریعہ عربی زبان کے قواعد اور گرامر سیکھے جائیں پھر عربی زبان سیکھی جائے یہ ایک طویل عمل ہے، اس طول عمل کے بعد بھی اگر عربی آجاتی تو غنیمت تھی لیکن آج ہمارے طلباء کی عربی دانی کا حال یہ ہے کہ وہ مختصر المعانی، ہدایہ، مقامات حریری اور متنبّی تو پڑھ جاتے ہیں لیکن عربی میں ایک صفحہ کا مضمون لکھنا یا عربی میں کسی سے دس منٹ گفتگو کرنا ان کے لئے مشکل ہوتا ہے—— ہونا یہ چاہئے کہ پہلے عربی زبان سکھائی جائے پھر اس کے گرامر کو طلباء کی مادری زبان میں پڑھایا جائے، اس طرح وقت بھی کم لگے گا اور عربی زبان پر قدرت بھی حاصل ہوتی چلی جائے گی۔

● معاف کیجئے۔ ہمارے علماء کرام یہ سب باتیں جانتے بھی ہیں اور سمجھتے بھی ہیں لیکن وہ اپنی روش نہیں چھوڑنا چاہتے، موروثی چیزوں سے اس قدر تاثر اور انھیں گلے سے لگائے رکھنے کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ موروثی راستہ پر چلنے میں آسانی ہے اور دوسرا راستہ مشقت کا ہے۔

● یہ سچ ہے کہ مدارس کو صرف ۴ فیصد طلباء ملتے ہیں لیکن ہندوستان میں کئی ہزار کی تعداد میں پھیلے ہوئے مدارس میں طلباء کی تعداد لاکھ دو لاکھ نہیں بلکہ ایک اندازہ کے مطابق دس لاکھ سے زیادہ ہوگی، اور جو نصاب اور نظام ہندوستان کے دینی مدارس کا ہے تقریباً وہی نصاب پاکستان و بنگلہ دیش میں بھی ہے تو اس طرح یہ تعداد بعض ممالک کی پوری آبادی سے زیادہ ہو جائے گی۔ اس لئے مدارس عربیہ کے تعلیمی نظام کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کی جائے اور ملت کے ایک بڑے طبقہ کو زیادہ سے زیادہ فعال، متحرک مفید اور کارآمد بنایا جائے۔

● یونیورسٹیوں کے ماحول پر ہم قابو نہیں پا سکتے اگر

ہم اپنے دینی مدارس میں منطق وفلسفہ کی کتابیں مختصر کردیں اوران کی جگہ کچھ جدید علوم کی کتابیں داخل نصاب کردیں تو اس طرح ہمارے طلباء اپنے ماحول میں رہ کرکسی حدتک جدید علوم حاصل کرسکتے ہیں۔

● جیسے بڑے مدارس میں فراغت کے بعد تخصص فی التفسیر، تخصص فی الحدیث، تخصص فی الفقہ وغیرہ شعبے قائم ہیں اسی طرح مدارس میں تخصص فی العلوم الجدیدہ کا شعبہ قائم کیا جائے تاکہ فارغین مدارس خالص اسلامی ماحول میں اعلیٰ جدید علوم حاصل کرسکیں، ورنہ دیکھا یہ گیا ہے کہ فراغت کے بعد جوطلباء یونیورسٹیوں میں جاتے ہیں وہ جدید علم سے زیادہ جدید فیشن کے دلدادہ ہوجاتے ہیں۔

● کچھ فضلاء مدارس کوفراغت کے بعد خصوصی تعلیم کے ذریعہ عصری علوم سے آراستہ کیا جائے اور کالج ویونیورسٹیوں کے فضلاء کوعلوم دینیہ سے آشنا کیا جائے اور ان کی اسلامی تربیت کی جائے اس طرح دونوں طبقوں کی خلیج کو پاٹ کر ایک ایسا پل بنایا جائے جس سے ہرایک کی صلاحیت اسلام کی تبلیغ اوراس کے فروغ کے لئے استعمال ہوسکے۔

● علماء نے جوعلم حاصل کیا ہے اوران کے اوپر دین کے نشرواشاعت کی جوذمہ داری ہے وہ انگریزی کے حصول کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے اوراس کی آفاقیت کا تقاضا ہے کہ پورے عالم میں بسنے والے انسانوں کواسلام کی دعوت دی جائے اور انھیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے خطبات مدراس میں فرمایا کہ آج کل علماء پرانگریزی کا جاننا فرض ہوگیا ہے۔

حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھیؒ جن کے ساتھ جنگ آزادی کی بہت سی سرفروشانہ داستانیں وابستہ ہیں، وہ ۲۵/سال جلاوطن رہنے کے بعد ۱۹۴۴ء کے شروع میں جب دیوبند تشریف لائے تو حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے صاحبزادے اور اپنے نواسے مولانا عبداللہ انور سے فرمایا کہ انورتمہارے لئے اورتمہاری عمر کے نوجوانوں کے لئے میری نصیحت ہے کہ دورۂ حدیث شریف کے بعد B,A کے معیارتک انگریزی زبان میں جب تک استعداد نہ بہم پہنچالوعملی زندگی میں قدم نہ رکھنا۔

یہ ایک دیدہ ورکی بات ہے، ان کے ایک جملہ میں بہت سی باتیں چھپی ہوئی ہیں اوران میں ملت کے لئے بہت بڑا پیغام ہے، ہم اس پیغام کوسمجھنے کی کوشش کریں اوراخلاص کے ساتھ اس کے لئے جدوجہد کریں۔

● نصاب کی تدوین اس طرح ہونی چاہئے کہ دین کی اصلی تعلیم جن کاتعلق قرآن، حدیث اورفقہ سے ہے ان میں پورے طور پر گہرائی اور گیرائی ہواور جیسے گذشتہ زمانہ میں منطق وفلسفہ کو داخل نصاب کرکے اس وقت کے لحاظ سے انتہائی مفید کام انجام دیا گیا تھا اسی طرح حالات حاضرہ کے تناظر میں کچھ ایسی چیزیں داخل نصاب کی جائیں جن کی افادیت اورضرورت اس زمانہ میں زیادہ ہو، اور جو چیزیں عہد بعہد بدلتی رہتی ہیں خصوصیت کے ساتھ فلسفیانہ نظریات ان کی قدامت پراصرارنہیں ہونا چاہئے۔

● ان سارے کاموں کے لئے پختہ کارعلماء، صاحب بصیرت ماہرین تعلیم اور صاحب نظر دانشورحضرات کی پوری ایک ٹیم ہوجومسلسل غور وفکر اور جدوجہد کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرے۔

ہماری ان گذارشات پرمنفی رویہ نہ اختیار کیا جائے بلکہ ان میں جوباتیں قابل اعتناء ہوں ان پرتوجہ دے کراصلاح کی کوشش کی جائے۔

دعوت دین

عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھائیے

سیرت پاک کو تحریراً اور عملاً ساری انسانیت تک پہنچانے کی ضرورت

مولانا محمد کلیم صدیقی

بے شمار حمد وثنا اس رحیم وکریم رب کائنات پر جس نے اپنے بندوں کی تمام ضروریات کا انتظام فرما کر اس دنیا کی ابتدائے آفرینش سے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لئے، اپنے نبیوں اور رسولوں پر زندگی گذارنے کے اصول وضوابط کے طور پر آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے، جو رب کائنات کی قولی آیات پر مشتمل تھے، اس کے ساتھ پوری کائنات کو رنگا رنگ مخلوق کی تخلیق سے سجایا، اور ان تمام مخلوق کے صدر، اشرف المخلوقات انسان کو اپنی شاہکار مخلوق کے طور پر پیدا کیا، اور ان میں سے کچھ خاص بندوں کو انسانیت کی رہنمائی کے لئے نبی اور رسول بنا کر منتخب فرمایا اور کائنات میں پھیلی ہوئی اپنی مخلوقات کو فعلی آیات قرار دیا۔

انبیاء اور رسولوں پر نازل کردہ ان الہامی کتابوں اور صحیفوں میں (جو قولی آیات ہیں) اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل کردہ قرآن حکیم کو اکمل اور اتم قرار دیا، تو اشرف المخلوقات انسانوں کو اس وحی الٰہی کی رہنمائی میں زندگی گذارنے کا طریقہ بتانے اور سکھانے والے ان منتخب انبیاء اور رسولوں میں سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو سارے رسولوں کا سردار اور پیشوا قرار دیا۔

دسترخوان اسلام پر آنے والے ایک نو وارد خوش قسمت دوست کو پنجاب کے ایک اجلاس میں اپنے تأثرات پیش کرنے کے لئے کھڑا کیا تو انھوں نے بہت دل کو لگتی ایک بات کہی: حق کی تلاش میں جب میں نے مختلف مذاہب اور نظریات کا مطالعہ کیا تو شروع میں مجھے یہ خیال رہا کہ ہمارا مالک اور خالق ایک ہے، اس ایک کی عبادت کسی بھی مذہب میں رہ کر کی جاسکتی ہے، کیا ضروری ہے کہ اسلام مذہب قبول کیا جائے، مگر جب میں نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیا تو میری سمجھ میں آیا کہ وہ اللہ جو سارے حسینوں اور ساری اچھائیوں اور کمالات کے خالق اور پیدا کرنے والے ہیں انھوں نے اپنے بندوں کی رہ نمائی کے لئے جو اخلاق وکمالات، اور صورت وسیرت کا شاہکار نمونہ اور آئیڈیل پیدا کیا وہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے، پیدا کرنے والے خدائے واحد نے جو آئیڈیل نمونہ اور اسوہ اپنے بندوں کے لئے نبی کی سیرت کے طور پر پیدا کیا وہ وہ ہے جو خود اللہ کو پسند ہے، اس کی پیروی کئے بغیر آدمی اللہ کی پسند کی زندگی ہرگز نہیں گذار سکتا اور اللہ کی پسندیدہ زندگی وہ ہے جو ہمارے نبی ﷺ نے مذہب اسلام کے طور پر خود عمل کر کے ہمارے سامنے چھوڑی ہے، تو پھر میرے دل ودماغ میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ ایک اللہ کی عبادت وبندگی نبی اکرم ﷺ کی پیروی اور اتباع کے بغیر ممکن نہیں، جس کے لئے اسلام قبول کر کے مسلمان ہونا ضروری ہے، اور میں مسلمان ہوگیا''۔

احسن الخالقین خالق کائنات جس نے ہر چھوٹی سے چھوٹی مخلوق کو اپنی فعلی آیات اور نشانی بنا کر پیدا کیا اس نے اشرف المخلوقات انسانوں کی قیادت ورہنمائی کے لئے جن قدسی صفات انسانوں کو منتخب فرما کر، انسانیت کی نجات وکامیابی کے لئے نبی اور رسول بنا کر بھیجا، ان انبیاء کرام اور رسولان عظام کی امامت وسیادت کے لئے جس ذات عالی کو سید ولد آدم اور امام الانبیاء بنا کر رہتی دنیا کے لئے نمونہ واسوہ بنایا، اس ذات عالی کے علاوہ خالق کائنات کی شاہکار تخلیق کا اعجاز اور کون سی ذات ہوسکتی

ہے، بقول اختر شیرانی مرحوم:

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ، کہ اب اور ایسا آئینہ
نہ ہمارے تخیل ووہم میں، نہ دکان آئینہ ساز میں

رہتی دنیا تک نبی امی ﷺ کی صداقت کے دلائل کے طور پر آپ کو بہت سے معجزے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے جس میں سب سے بڑا معجزہ خود آپ ﷺ پر نازل ہونے والا کلام الٰہی ہے، جس کا اعجاز پوری آب وتاب کے ساتھ قیامت تک باقی رہے گا، اس قرآن مجید کو اپنی قولی آیات کے طور پر اپنے نبی پر نازل فرمایا، اس کی عملی شکل جناب رسول اللہ کی حیات طیبہ اور سیرت مقدسہ ہے جو قرآن کریم کی عملی تفسیر اور پریکٹیکل کے طور رب کائنات نے اپنی فعلی آیات بنا کر آپ ﷺ کو عطا کی۔

احسن الخالقین رب کائنات کی اس شاہکار آیت میں اور نبی رحمۃ للعالمین ﷺ کی معجزانہ زندگی کے بارے میں صاحب ''النبی الخاتم'' مولانا مناظر احسن گیلانی نے کیا پیاری بات فرمائی ہے:

''پھر کیا مدینہ میں جو پایہ تخت قائم ہوا وہ عام منبر کی جگہ پر تخت بچھایا گیا، وہی منبر ہے، وہی مسجد ہے، وہی جھوپڑی ہے، وہی چمڑے کا اکھرا گدا ہے، نہ حاجب ہیں، نہ دربان ہے، امیر بھی آتے ہیں، غریب بھی آتے ہیں، دونوں کے ساتھ ایک معاملہ ہے۔ عجب دربار!!

سلاطین کہتے ہیں شاہی دربار تھا: کہ فوج تھی، علم تھا، پولس تھی، جلاد تھے، محتسب تھے، گورنر تھے، کلکٹر تھے، منصف تھے، ضبط تھا، قانون تھا۔

مولوی کہتے ہیں مدرسہ تھا: کہ درس تھا، وعظ تھا، افتاء تھا قضاء تھا، تصنیف تھی، تألیف تھی، محراب تھی، منبر تھا۔

صوفی کہتے خانقاہ تھی: کہ دعاء تھی، جھاڑ تھا، پھونک تھی، ورد تھا، وظیفہ تھا، ذکر تھا، شغل تھا، تحنث (چلہ) تھا، گریہ تھا، بکاء تھا، وجد تھا، حال تھا، کشف تھا، کرامت تھی، فقر تھا، فاقہ تھا، زہد تھا، قناعت تھی، کنکریاں دی جاتی تھیں کہ کھارے کنویں کا پانی میٹھا ہو جائے گا، بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا تھا، جس کو جو کہہ دیا جاتا ہے، پورا ہوتا ہے۔

مگر سچ یہ ہے کہ وہ سب کچھ تھا، اس لئے کہ وہ سب کے لئے تھا، آئندہ جس کسی کو چلنا تھا، جہاں کہیں چلنا تھا، جس زمانہ میں چلنا تھا، اسی روشنی میں چلنا تھا، اور یہ تو عرب کے لئے ہوا، عرب ہی کے اندر دیکھو کہ عرب کے باہر کا کام شروع ہو جاتا ہے، اسی دس سال کے عرصہ میں مشرق کی سب سے بڑی قوت ''پرشین امپائر'' اور مغرب کی سب سے بڑی طاقت ''رومن امپائر'' کے ساتھ اطراف وجوانب کے سلاطین کو بھی چونکا دیا جاتا ہے کہ وقت سے پہلے جاگ جاؤ۔ جو جاگا اس نے پایا جو سویا اس نے کھویا، کسریٰ نے خط پھاڑا، اس کا ملک پھاڑ دیا گیا ''قیصر'' بھی پھاڑ دیتا اور خدا کرتا کہ پھاڑ دیتا تو وہ بھی پھٹ جاتا، لیکن معاملہ کو ملتوی کر کے اس نے اپنی قوم اور اپنے ملک کی موت کو ملتوی کرا دیا اور اتنا ملتوی کیا کہ گویا وہ فوج آج تک واپس نہیں ہوئی اور خدا ہی جانتا ہے کہ کب واپس ہوگی جسے رومیوں کی طرف روانہ کر کے دماغ کے ان عجیب وغریب تجربات کو دینے والا پاک وجود پھر ''دل'' کے حالات میں مستغرق ہو کر اس بستر میں لیٹ گیا جس پر لیٹنے کے پھر اٹھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔ اللھم صل علیہ وسلم۔

دیکھنے والوں نے دیکھا تھا کہ اس بستر پر لیٹنے کی جو آخری رات تھی اس کے روشن کرنے والے چراغ میں تیل کسی غریب پڑوسی سے قرض کر کے آیا تھا، جو چادر اس وقت مرض واپسیں کے مریض پر پڑی ہوئی تھی، جب بعد کو دیکھا گیا تو صرف پھٹا ہوا ایک سیاہ کمبل تھا، جس کے اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے، اس کی زرہ تیس صاع جو پر ایک یہودی ساہوکار کے یہاں گروی تھی۔

............تاہم کچھ بھی لکھئے، کچھ بھی کہئے، مگر آخر میں ہر

شخص یہی کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ :

لا یمکن الثناء کما کان حقه

لیکن پھر بھی آپ کے نام لیواؤں نے، عشاق نے، آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کے والا گہر آثار وعنوانات، وقت کی ضرورت اور اپنی اپنی صلاحیت، ذوق اور مزاج کے مطابق مرتب اور پیش کرنے کا کام، بلکہ خدمت اس تسلسل اور تواتر سے انجام دی ہے کہ ہر لحہ نئی آن، نئی شان اور نئی برہان کا خوب خوب مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، سیرت پاک کے موضوع پر جلیل القدر مصنفات کے علاوہ ہر ایک زبان میں اس قدر بڑا ذخیرہ موجود ہے کہ اب تک اس مبارک موضوع پر جو کچھ لکھا گیا اس کی فہرست بنا لینا بھی آسان نہیں۔ [النبی الخاتم: از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ]

ارحم الراحمین رب کریم، رب العالمین ہیں، صرف رب المسلمین نہیں ان کی طرف سے اپنی رحمٰن صفت کا سب سے بڑا مظہر قرآن مجید پوری انسانیت کے لئے نظام حیات اور ابدی منشور ہے، جس میں خود اعلان ہے:

شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن هدی للناس

ترجمہ: رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا، وہ سارے انسانوں کے لئے ہدایت ہے

رب العالمین نے اپنا کلام مقدس بھی عالمینی نازل فرمایا، ارشاد ہے:

تبارک الذی نزل الفرقان علٰی عبده لیکون للعالمین نذیرا

ترجمہ: بابرکت ہے (اللہ) جس نے اپنے بندہ پر فرقان نازل کیا، تاکہ وہ سارے جہانوں کو ڈرانے والا ہو

جب ہم رب العالمین کے ہدی للناس اور عالمینی کلام پر اس پس منظر میں غور کرتے ہیں کہ کتنا خطاب اس کلام مقدس میں غیر ایمان والوں کے لئے ہے، اور کتنا خطاب صرف ایمان والوں کے لئے، تو ہمیں لگتا ہے کہ قرآن مجید اکثر آیات میں غیر ایمان والوں کے لئے خطاب کرتا ہے، بلکہ جس ماحول میں قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا، اس پس منظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید کے اولین مخاطب زیادہ تر غیر ایمان والے دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح نبی رحمۃ للعالمین جن کو رب کائنات نے

وما ارسلناک الا رحمة للعالمین

کہہ کر رحمة للعالمین بنا کر مبعوث کیا، اور جن کی بعثت:

یا ایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا

ترجمہ: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی جانب اللہ کا رسول ہوں

اور **وما ارسلناک الا کافة للناس بشیرا و نذیرا**

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا

کی روشنی میں پوری انسانیت کے لئے تھی، آپ نے بھی نبوت کی زندگی کا اکثر حصہ کفار و مشرکین کو ایمان کی طرف لانے اور جو لوگ ایمان لائے ان کو پوری انسانیت تک، دعوت دینے کے لئے تیار کرنے میں صرف کیا۔

اس کے باوجود یہ بھی کیا بڑا المیہ اور حق تلفی ہے کہ ہدی للناس رب کائنات کے کلام کو (جسے ختم نبوت کے بعد) پوری انسانیت تک پہنچانے کی ذمہ داری امت پر فرض منصبی کے طور پر عائد کی گئی ہے، اور اسی طرح اس کلام مقدس کی عملی شکل نبی رحمۃ للعالمین کی سیرت وسنت کو، جس کا تعارف، اور ان کی امت میں شامل کر کے پوری انسانیت کو، ان کی رسالت پر ایمان کی دعوت دینے کی منصبی ذمہ داری امت کے سر ڈالی گئی ہے، امت نے اجتماعی طور پر اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ اس کی وجہ سے نبی رحمۃ للعالمین کی امت کا وہ اکثریتی طبقہ، جس کی تعداد ایمان والوں کے مقابلہ میں تین چوتھائی سے بھی زیادہ ہے، اس تک قرآن مجید

اور سیرت پاک کو پہنچانے سے بڑی غفلت اختیار کی گئی ہے، اس کے نتیجہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی مختلف زبانوں میں مختلف زاویہ نگاہ سے لکھی جانے والی ان تفسیروں اور سیرت پاک پر تحریر کی جانے والی سیرت کی ان کتابوں میں جن کی فہرست بنانا نا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، کے باوجود امت کے اس تین چوتھائی سے زیادہ طبقہ میں غیر مسلموں کے عقائد، ان کی معاشرت ،ان کے عقل وشعور ومزاج اور معیار کے لحاظ سے لکھی جانے والی سیرت کی کتابیں اور کتاب الٰہی کی تفسیریں بالکل نہ کے برابر ہیں ۔یعنی دعوتی نقطۂ نگاہ سے (جو امت کا فرض منصبی ہے) قرآن کی تفسیریں اور سیرت کی کتابیں بس گنتی کی ہیں، میدان دعوت میں کام کرنے والے اکثر داعی جانتے ہیں کہ اپنے مدعو غیر مسلم بھائیوں کو پیش کرنے کے لئے جب کوئی تفسیر یا سیرت کی کتاب کی تلاش ہوتی ہے تو بہت تلاش کے بعد بھی سو فیصد اطمینان نہیں ہوتا کہ مدعو کی سطح کے لحاظ سے اس کو کتاب دی گئی ہے۔

جب کہ یہ بھی ایک تجرباتی حقیقت ہے کہ غیر ایمان والے کو اسلام کی دعوت کے لئے سب سے محتاط اور سہل اور مفید طریقہ اس مدعو کو اللہ کے کلام کے واسطہ سے براہ راست اس کے رب سے جوڑ دینا اور رسول اللہ ﷺ کی مقدس اور دل کش سیرت پاک کے واسطہ سے، اس کو رسول پاک ﷺ کے دامن سے وابستہ کر دینا ہے۔

دعوت کی راہ میں کام کرنے والوں کو اس کا تجربہ ہے کہ کسی مدعو کو توحید کے لئے قائل کرنا آسان ہے مگر رسالت اور آخرت کے لئے زیادہ عرق ریزی اور مدعو کی ذہنی سطح کے لحاظ سے بڑی محنت کی ضرورت ہوتی ہے اور آخرت کا قائل کرنے کے لئے رسالت کا قائل کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اس کے لئے امت مسلمہ کے ذمہ عامۃً اور خواص امت اور علماء کے ذمہ خصوصا یہ ضروری ہے کہ بلکتی اور پیاسی انسانیت کو ان کے رسول رحمت ﷺ کی ذات، آپ کی سیرت اور آپ کے اپنے قول وفعل، حرکات وسکنات اور اپنے نقوش قدم سے جو رہتی انسانیت کے لئے صراط مستقیم تیار کر کے اپنے زمانہ خیر القرون میں صحابہ کرام کو اس پر چلا کر جو ایک مکمل ضابطہ حیات دنیا کے لئے عطا فرمایا، اس سے قولاً تحریراً اور سب سے زیادہ عملاً دنیائے انسانیت کو روشناس کرائیں۔خصوصا اس غلط فہمی کو سب سے پہلے دور کیا جائے کہ نبی رحمۃ للعالمین ﷺ صرف مسلمانوں کے رسول ہیں۔

ماہ ربیع الاول کا مہینہ ایسا مبارک مہینہ ہے جس میں نہ صرف اس دنیا پر اللہ تعالی نے رحم فرما کر رحمۃ للعالمین ﷺ کی ولادت سے اس دنیا اور اس ماہ کو شرف عطا فرمایا، بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کی حیات کا وہ واقعہ عظیمہ جس سے اسلامی تاریخ کو منسوب کیا گیا، ہجرت اور اللہ کے رسول ﷺ اپنے تعارف اور اپنے دین کے ابلاغ کی ذمہ داری امت کے ذمہ سونپ کر اپنے محبوب حقیقی کے جوار میں اسی ماہ کی ۱۲ر تاریخ کو تشریف لے گئے اس لحاظ سے سیرت اور سیرت کے پیغام کو اس ماہ مبارک سے بڑی نسبت ہے، کیا اچھا ہو اس ماہ مبارک میں آپ ﷺ سے محبت رکھنے والا ہر امتی عہد کرے اور عزم کرے اور اپنے لئے نشانے طے کرے، کہ نبی اکرم ﷺ سے دل وجان سے محبت رکھنے کے دعوی کے ثبوت میں، اور آپ سے والہانہ عاشقانہ تعلق کا حق ادا کرنے کے لئے، آئندہ زندگی کو اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت، آپ کی نورانی سنتوں، آپ کے دین اور پیغام کو قولا تحریرا، اور عملا پوری دنیائے انسانیت تک پہنچانے کے لئے وقف کروں گا۔یقیناً ایک سچے امتی اور اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والے امتی کا یہ اصل منصبی فریضہ ہے، جس کی ادائیگی کے بغیر امتی کہلانے کا اسے حق نہیں ہے۔

مولانا حکیم سید محمود احمد برکاتی کا سانحۂ انتقال

حکیم عبدالقوی صدیقی قاسمی
جے پور

علامۃ الہند۱۸۹۴ء میں والی ریاست ٹونک کے طبیب خاص شاہی کے منصب پر مقرر کردیئے گئے، اور دونوں گاؤں جو والد ماجد کی جاگیر میں تھے، آپ کے نام کردیئے گئے۔

مولانا حکیم سید دائم علی صاحب نے اپنے دونوں صاحب زادوں کی شادیاں اپنے وطن میرنگر(بہار) میں، جہاں ان کے قریبی عزیز تھے، کی تھیں، مگر مولانا حکیم برکات احمدؒ کی پہلی اہلیہ جلد ہی عوارض ولادت میں انتقال کرگئیں، دوسرا عقد بھی طالب علمی کے دور میں۱۸۸۴ء میں ہوا، یہ عقد بھی صوبہ بہار کے ایک علمی و دینی گھرانہ میں ہوا۔

مولانا حکیم سید برکات احمدؒ نے تدریس کا آغاز اس وقت کردیا تھا جب خود طالب علم تھے، پھر ٹونک واپسی پر آپ کا مستقل مشغلہ ہی تدریس ہوگیا، آپ نے اپنے اور معاونین اساتذہ کے لئے ایک درس گاہ ''مدرسۃ العلوم خلیلیہ'' کے نام سے قائم کی، جس میں باقاعدہ طلباء کے لئے درس گاہیں تھیں اور کئی اساتذہ تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے، مدرسۃ العلوم خلیلیہ میں دینی اور دنیوی علوم منقولات ومعقولات کے علاوہ قرآن مجید کے لئے شعبہ حفظ و تجوید بھی تھا، اور فن طب کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ مولانا حکیم سید برکات احمد کی قائم کردہ یہ درس گاہ اور تعلیمی یادگار بحمد للہ موجود ہے اور اس میں دینی ودنیوی تعلیم کی خدمات کا سلسلہ جاری ہے۔

مولانا حکیم سید برکات احمد کی مصروفیات، درس و تدریس، مطب، والی ریاست کا یومیہ صحت کا معائنہ اور علاج تک ہی محدود نہیں تھیں، بلکہ تصنیف وتالیف کا بھی مستقل مشغلہ تھا، ان کی تصانیف منطق، فلسفہ، علم الکلام، فقہ، تصوف، حدیث، اصول فقہ اور تاریخ سے متعلق ہیں، زیادہ تر تصانیف عربی زبان میں ہیں اور چند اردو میں ہیں، اور ان تصانیف کی کل تعداد ۲۷ ہے۔

مولانا حکیم سید برکات احمد کی جسمانی یادگار صرف ایک صاحب زادے مولانا حکیم سید محمد احمد تھے، آپ کی ولادت ۱۸۹۵ء میں ہوئی، جو مولانا حکیم سید دائم علی کی نرینہ اولاد میں واحد چشم و چراغ تھے، اس لئے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی تعلیم وتربیت پر کس قدر توجہ کی گئی ہوگی، اٹھارہ سال کی عمر میں تمام علوم عقلیہ، نقلیہ سے فراغت حاصل کرلی تھی، برکات منزل کے مطب اور مدرسۃ العلوم خلیلیہ میں اپنے والد کے دست و بازو بنے، تقریباً دس سال بعد ۱۹۲۵ء میں مولانا حکیم سید برکات احمد نے سند فراغ عطا کی، اور اپنا جانشین مقرر کیا، والد ماجد کی وفات کے بعد مولانا حکیم سید محمد احمد صاحب والی ریاست طبیب خاص شاہی مقرر ہوئے، اور مواضعات کی جاگیران کے نام منتقل ہوئی، اپنے والد ماجد کی وفات کے ساڑھے تین سال بعد مولانا حکیم سید محمد احمد صاحب نے ۳۶/سال کی عمر میں اچانک سفر آخرت اختیار کرلیا، آپ کی وفات ۲۷/رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں ہوئی، مولانا حکیم سید محمد احمد صاحب نے اپنے اخلاف میں تین فرزند اور ایک دختر اپنی جسمانی نشانی چھوڑی، سیدہ فاطمۃ الزہراء ولادت ۱۹۲۱ء/ مولانا حکیم سید محمود احمد برکاتی ولادت ۱۹۳۶ء/ سید دائم علی اختر ولادت ۱۹۳۸ء/ سید مسعود احمد برکاتی ولادت ۱۹۳۰ء۔

مولانا حکیم سید محمود احمد برکاتی کی ولادت ۱۹۳۶ء میں راجپوتانہ کی ریاست ٹونک میں برکات منزل میں ہوئی، آپ کی ابتدائی تعلیم قرآن مجید، اردو، فارسی اور عربی کی ٹونک میں ہی ہوئی نصاب درس نظامی کی متوسطات اور اعلیٰ تعلیم اجمیر کے مدرسہ معینیہ اسلامیہ میں ہوئی، جہاں سے آپ نے نصاب درس نظامی کی تکمیل کی اور سند فراغت حاصل کی، اجمیر کے دوران تعلیم آپ

نے بورڈ آف اورینٹل اگزامنیشن الہ آباد کے امتحانات اور فاضل دینیات اور فاضل ادب پاس کیئے، بعدازاں آپ اپنے خاندانی اورجدی علم ''فن طب'' کے حصول کے لئے دہلی تشریف لے گئے، اورطبیہ کالج دہلی میں فن طب کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ شروع ہوا، دوران تعلیم آپ کی ذہانت وفطانت ولیاقت سے طبیہ کالج کے اساتذہ غیر معمولی طور پر متأثر تھے، آپ نے ۱۹۴۸ھ میں طبیہ کالج سے سند فراغ فاضل طب والجراحت حاصل کی، اور اپنے وطن ٹونک تشریف لے آئے، یہاں اپنے رشتہ کے چچا مولانا حکیم ظہیر احمد برکاتی (خواہرزادہ علامۃ الہند مولانا حکیم سید برکات احمدؒ) جن کو والی ریاست نواب سعادت علی خان نے مولانا حکیم محمد احمدؒ کی وفات کے بعد اپنا طبیب خاص شاہی اور مدرسۃ العلوم خلیلیہ نظامیہ کا معتمد و مہتمم مقرر کیا تھا، کے پاس مطب شروع کیا، تقریبا ایک سال محترم موصوف کے پاس مطب کیا، بعدازاں علاحدہ مطب شروع کیا اور برکاتی دواخانہ بھی قائم کیا، لیکن مرحوم مقامی حالات سے مطمئن نہ تھے، علاوہ ازیں ان کے دو چھوٹے بھائی ایک مولوی سید دائم علی اختر اور مسعود احمد برکاتی ۱۹۴۸ء کے اواخر میں پاکستان چلے گئے تھے، مرحوم ان دونوں بھائیوں کی جدائی سے متفکر اور دل برداشتہ رہتے تھے، بالآخر مولانا حکیم مسعود احمد نے بھی پاکستان جانے کا فیصلہ کیا، اور ۱۹۵۲ء کے اوائل میں آپ کراچی پاکستان منتقل ہوگئے، جب آپ نے پاکستان ہجرت کی، اس وقت آپ کے دو صاحب زادے (۱) سہیل احمد برکاتی (۲) مختار احمد برکاتی اور ایک صاحب زادی رشدہ محمود موجود تھے۔

پاکستان کی اقامت کے ابتدائی دور میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن رفتہ رفتہ حالات سازگار ہوتے رہے، آپ نے لیاقت آباد کراچی میں برکاتی دواخانہ بھی قائم کرلیا آپ کی قابلیت تشخیص وتجویز اور شافی علاج سے آپ کی طرف رجوع میں ترقی ہوتی رہی، مطب کے ساتھ ساتھ اپنے طبی میلان ورجحان تصنیف وتالیف کی طرف آپ کی پوری توجہ رہی، مطب کے علاوہ جو بھی وقت ملتا وہ مطالعہ اور تصنیف وتالیف پر صرف ہوتا، دیر رات تک آپ مصروف رہتے، مرحوم کے قلم نے صفحہ قرطاس پر جن کتب کی تخلیق کی میری ناقص معلومات کے مطابق ان کی تعداد ۱۹/ رہے، جو درج ذیل ہیں:

(۱) سیرت فریدیہ (۲) معین المنطق (۳) شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان (۴) فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون (۵) الروض الموجود فی تحقیق الوجود (۶) اتقان الفرقان فی ماہیۃ الزمان، نمبر ۵ اور ۶ یہ دونوں علامۃ الہند حکیم برکات احمد صاحب کی تصنیف ہس ان دونوں کا ترجمہ مولانا حکیم محمود احمد برکاتیؒ نے کیا ہے۔ (۷) نشان راہ (۸) کتاب (۹) الاسباب والعلامات (۱۰) آئینہ افلاک (۱۱) براعظم میں طب قدیم کا ارتقاء (۱۲) حیات شاہ محمد اسحاق دہلویؒ (۱۳) سفر و تلاش (۱۴) مولانا حکیم سید برکات، سیرت علوم (۱۵) مولانا معین الدین اجمیری، کردار و افکار (۱۶) مولانا معین الدین اجمیری، تلامذہ کا خراج عقیدت (۱۷) قرابا دین برکاتی (۱۸) شاہ ولی اللہ اور ان کے اصحاب (۱۹) کشکول، مختصر مضامین کا مجموعہ

آپ کے علمی، طبی و تاریخی مضامین و مقالات کی تعداد ۳۹/ ہے جیسا کہ ماہنامہ کاروان طب کراچی کے خصوصی نمبر۔ ۲۰۰۱ء میں تحریر کیا گیا ہے، ۲۰۰۱ء سے ۹/جنوری ۲۰۱۳ء کا درمیانی عرصہ تقریبا ۱۲/سال کا ہے، اس عرصہ کے تصنیف و تالیف کا سلسلہ یقیناً جاری رہا ہوگا، اس کے پیش نظر کتب کی تصنیف اور مضامین کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہوگا، حکیم محمود احمد برکاتیؒ کی کئی کتابیں اور مضامین اس ناچیز کے مطالعہ میں بھی رہیں۔

شہید مولانا حکیم برکاتی کو علوم عقلیات وفنون دانش مندی (منطق، فلسفہ، کلام) سے کافی دل چسپی تھی، ان علوم سے تعلق ان کو ورثہ میں ملا تھا، مولانا فضل حق خیرآبادی کے شاگرد خاص مولانا حکیم سید دائم علی تھے، جو مولانا حکیم محمود کے پردادا تھے، اور آپ کے جد بزرگوار علامۃ الہند مولانا حکیم برکات احمدؒ مولانا عبد الحق خیرآبادی کے تلمیذ رشید ہی نہیں بلکہ جانشین خاص تھے، آپ

کے والد ماجد مولانا حکیم محمد احمد کو بھی علوم عقلیات وحکمت سے لگاؤ اور دل چسپی تھی، اگر کہا جائے کافی دسترس تھی تو بے جا نہ ہوگا، آپ نے منطق وفلسفہ طبعیات اور الٰہیات پر جدا جدا اردوں میں کتابیں تصنیف کیں، (۱) منطق کی پہلی (۲) دوسری (۳) تیسری (۴) احسن الکلام (ماتعم الاجسام) (۵) مرآۃ السموات (فلکیات) وغیرہ کتب شائع ہوگئی ہیں۔

شہید مولانا حکیم محمود برکاتی کو ذہانت، جودت طبع، فطانت، ذکاوت کے علاوہ تصنیف و تالیف، یہ امور ان کو نانیہال اور دیدیہال دونوں جانب سے ورثہ میں ملے تھے، آپ کے نانا علامہ مولانا سید مختار احمد متوطن حیدرآباد دکن فن ہیئت و افلاک، جغرافیہ کے عالم اور لغات و اصطلاحات کے متخصص تھے، ان موضوعات پر آپ کی متعدد بلند پایہ تصنیفات ہیں، سید حسن بلگرامی کی سعی سے نظام دکن نے منصب (علمی وظیفہ) مقرر کردیا تھا، اسی پر قناعت کرکے قرطاس وقلم کے لئے وقف ہوگئے۔

مندرجہ بالا سطور میں شہید مولانا حکیم محمود برکاتی کے بارے میں جو بالاختصار تحریر کیا گیا ہے، اس کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے کہ خیرآبادی سلسلہ کا یہ شجر علم جو آخری تھا ز میں بوس ہوگیا۔

مولانا برکاتی کو شعر گوئی کا بھی ذوق تھا آپ ضمیر تخلص فرماتے تھے، اس ناچیز کی نظر سے ان کی دو تین نظمیں گذری ہیں، ایک رخصتی جوان کی اہلیہ کی بھتیجی کی شادی کے موقع پر انھوں نے پاکستان سے بھیجی تھی،، اور ایک سہرہ جو انھوں نے اپنے پوتے طغرل کی شادی کے موقع پر لکھا تھا، آپ کی بعض تحریریں بھی دیکھیں جن کے آخر میں محمود احمد برکاتی ے بجائے ضمیر احمد برکاتی تحریر ہے۔

مولانا برکاتی کی شادی ۱۹۴۶ء میں ٹونک میں مولانا وجیہ الدین باغپتی رفیق حضرت سید احمد شہیدؒ کے پوتے محمد یحییٰ صاحب کی صاحب زادی سے ہوئی تھی، جن سے آپ کے چار بیٹے (۱) سہیل احمد برکاتی جو کراچی یونیورسٹی میں پروفیسر تھے، سال گذشتہ رٹائر ہوئے ہیں (۲) مختار احمد برکاتی، جن کا مطب لیاقت آباد کراچی میں ہے، اسی مطب میں مرحوم کی شہادت ہوئی، (۳) حکیم سید مجاہد محمود، جو عرفانی کارنر فیڈرل بی ایریا میں مطب کرتے ہیں، (۴) سید اقبال محمود، اپنا کاروبار کرتے ہیں، اور تین صاحب زادیاں (۱) راشدہ محمود، جو واہ پنجاب میں رہتی ہیں (۲) ثمینہ محمود جو طبیبہ ہیں، کراچی میں مطب کرتی ہیں، (۳) زہرہ محمود جن کی شادی امریکہ میں ہوئی تھی، وہاں وہ سکونت پذیر ہیں، ان کے اخلاف میں ماشاء اللہ سب صاحب اولاد ہیں، مرحوم کی اہلیہ الحمد للہ حیات ہیں، ضعف پیری عوارضات کی بنا پر معذور ہیں۔

مولانا حکیم محمود برکاتی کے حقیقی برادر خورد سید مسعود احمد برکاتی ہیں جو پاکستان کے مشہور اردو کے صحافی ہیں، ایک عرصہ دراز تک ادارہ ہمدرد کراچی سے وابستہ رہے، اور ادارہ ہمدرد کے ٹرسٹی ہیں۔

بھارت میں جے پور میں ان کے خواہر زادے اقامت پذیر ہیں، اور آپ کے عم محترم مولانا حکیم سید ظہیر احمد برکاتی کے صاحب زادے (۱) سعید احمد برکاتی، مہتمم و معتمد مدرسۃ العلوم خلیلیہ ٹونک (۲) حکیم وحید احمد برکاتی (۳) ڈاکٹر ولید احمد برکاتی، اور صاحب زادی افتخار بیگم سکونت پذیر ہیں، اور اجمیر میں ہمشیرہ زادیاں رہتی ہیں، ٹونک میں بھی ان کے اعزہ ہیں۔

ایک عالم معقولات و منقولات، طبیب و حکیم جس کی ولادت راجپوتانہ کی ریاست ٹونک میں ۱۹۳۶ء میں ہوئی تھی کراچی میں ۲۰۱۳ء میں ۹ رجنوری کو شہادت ہوئی، مرحوم کے لئے اگر یہ کہا جائے تو کہ ایک تاریخ ساز شخصیت کے مالک تھے، تو بے جا نہ ہوگا، آپ کی شہادت کے بعد آنے والے مؤرخ آپ کی شہادت کی تاریخ ثبت کریں گے۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہ بانی کرے

رو چکے بہت مولیٰ صبر اب عطا فرما

ایک دعوتی رفیق ڈاکٹر محمد جاوید کا حادثۂ وفات

قاضی ضیاء الاسلام، علی گڑھ

وہ نا قابل یقین میسج، اور اس کے بعد متعدد رفقاء دعوت الی اللہ کی جانب سے، اذان فجر سے قبل احقر کے فون پر اسی میسج سے متعلق ایک ہی مفہوم کے جملوں کی مسلسل تکرار آج بھی لاشعور میں اکثر کچوکے لیتی ہے، دل و دماغ لاکھ تسلیم نہ کرے مگر قضاء و قدر کے فیصلے کو مان لینے کے علاوہ آخر چارہ ہی کیا ہے!

وہ دل خراش میسج اور جملے اس حقیقی اطلاع کے متعلق تھے کہ ہمارے ایک داعی اور رفیق ڈاکٹر محمد جاوید کا رات مراد آباد میں ایکسیڈنٹ ہوگیا اور جائے واردات پر ان کا انتقال ہوگیا تھا: انا للہ وانا الیہ راجعون بعد میں تفصیلات موصول ہونا شروع ہوئیں جو مختصراً یہاں اس لئے عرض کی جارہی ہیں کہ علی گڑھ والوں کے غم کا اندازہ قارئین ارمغان بھی کرلیں اور ایصال ثواب میں ان کا حصہ بھی ہوجائے۔

۱۲/مارچ ۲۰۱۳ء بروز منگل، رات کو ساڑھے دس اور گیارہ بجے کے درمیان یہ اندوہ ناک حادثہ مراد آباد میں دہلی لائن پار چوکی کے سامنے اس مصروف ترین شاہ راہ پر ہوا جس کو چوڑا کرنے کے نام پر انتہائی توڑ پھوڑ کے نتیجہ میں مخدوش گڑھے ہو جانے کے باوجود بھی لاپرواہ انتظامیہ نے ایک طویل مدت سے کام کو ادھورا چھوڑ رکھا تھا، شاید ناہموار سطح پر ملبہ سے ٹکرا کر ڈاکٹر جاوید خاں کی موٹر سائیکل پھسل گئی اور وہ سڑک پر گر گئے، اسی اثنا میں پیچھے سے آتا ہوا تیز رفتار ٹرک ان کے پیروں پر سے گزر گیا! نتیجہ۔ قضا!!

بے شک جو زندہ ہے موت کا مزہ اس کو چکھنا ہے، حادثات اور موت کی خبریں ہم آئے دن پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں، ان خبروں پر افسوس کرنا فطری عمل ہے، مگر لاکھوں کروڑوں افراد میں اپنی صفات، عادات، اخلاق و دیگر خوبیوں کی وجہ سے چند انسان ایسے بے مثال ہوتے ہیں جن کے اس دارفانی سے رخصت ہوجانے کے بعد ضبط وصبر کی لاکھ کوشش کے باوجود صدمہ واحساس زیادہ سے بھی کچھ سوا ہوتا ہے۔ علی گڑھ میں رفقاء دعوۃ الی اللہ دو سال قبل بھی اپنے ایک عظیم المرتبت محسن، دعوت کے شیدائی اور ہر مومنانہ خوبی سے متصف مرحوم ڈاکٹر عبد الجلیل میڈیکل آفیسر سے ایک ایسے ہی سڑک حادثہ کی وجہ سے محروم ہو چکے ہیں، اب ان کے لئے یہ دوسری محرومی اور ویسا ہی ایک اور بڑا صدمہ ہے۔

دعوت کی اہمیت سمجھنے والے یعنی دردمند دل رکھنے والے حضرات غور فرمائیں کہ جنون دعوت الی اللہ ڈاکٹر جاوید کو ایسا تھا کہ ڈھائی تین سال کے عرصہ میں اللہ نے ان کو وہ صلاحیت، حوصلہ اور جذبہ عطا فرمایا تھا کہ سالہا سال دعوۃ کا تجربہ رکھنے والے داعی ان کا انداز دعوت دیکھتے تو رشک کرتے اور نئے دیکھتے تو حوصلہ پاتے، علی گڑھ نمائش میں دعوۃ کے لئے اسٹال لگانا بھی انہیں کی جدت تھی اور ڈاکٹر محمد الغازی جن کو اللہ نے ہدایت سے نواز دیا تھا اور جن کے ایمان لانے کی کارگزاری احقر کی زبانی ارمغان میں چھپ چکی ہے کا ذریعہ بھی ڈاکٹر جاوید ہی بنے تھے۔ والدین کو ہمیشہ یہ یقین رہا کہ ان کے بیٹے جیسا خدمت گزار سعادت مند فرمانبردار اور ان کی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت یا بیماری کی بلا کہے فکر رکھنے والا اس فتن وفجور کی گرفتار دنیا میں شاید ہی کوئی اور ہو۔ سگی بہنیں، سگے بہنوئی اور اکلوتے بھائی کے علاوہ تمام عزیز واقرباء میں انتہائی مقبول ڈاکٹر جاوید غریبوں اور بے سہارا لوگوں خصوصاً بیماروں سے ہمدردی رکھنے کے لئے بھی مشہور تھے، سچی بات کہنے میں جس کو عار نہ تھا، دوستوں میں سے کسی کی چھوٹی بات ہو یا بڑی اگر بری لگتی تو ایسے برہم کہ سنبھالنا مشکل، مگر دوسرے لمحہ صفائی یا معافی کے بعد محبت، انسیت اور دوستی پہلے بھی سوا کرتے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ دل ایسا صاف تھا کہ کسی فرد کے سامنے یا اس کی غیر موجودگی میں کبھی اس ترشی کا ذکر نہ کرتے، کیا کیا خوبیاں گنائی جائیں اور کیا کیا چھوڑی جائیں عقل حیران و پریشان ہے، مگر اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بھی طوالت کے خوف سے یہ چھوڑ دینا ظلم ہوگا، لہٰذا ان کی مختصر زندگی کی طویل داستان یہ ہے کہ ڈاکٹر جاوید کو اللہ رب العزت نے بے شمار خوبیوں سے متصف

پیغامات اور دعائیہ کلمات

ماہنامہ ارمغان کی اشاعت کے اکیسویں سال کے آغاز پر

حضرت مولانا عبدالرحیم فلاحی

استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا

اکابرین امت، دانش وران ملت کا یہ متفقہ نظریہ رہا ہے کہ کسی بھی قول وفعل کے عنداللہ مقبول ہونے کے لئے صرف اخلاص ہی نہیں بلکہ دوام اخلاص، صرف سعی نہیں بلکہ سعی مسلسل اور صرف ایثار نہیں بلکہ ایثار پیہم مطلوب ہے، اس لئے استقامت فی الدین کا مطالبہ :**فاستقم کما امرت** کے ذریعہ کیا گیا، اور اکابرین نے الاستقامۃ خیرمن الف کرامۃ کہہ کر استقامت کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے، جب دعوت وتبلیغ کے میدان کے قدرداں اور سچے ترجمان بلکہ مخلص محافظ جناب مفتی روشن شاہ صاحب کی طرف سے ایک اطلاع نامہ کے ذریعہ پیغام کا مطالبہ ہوا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی، وہ ارمغان ولی اللہ جو دو دہائیوں سے مومنین مخلصین کے درمیان فریضہ تبلیغ ادا کر رہا ہے تو دوسری طرف محرومین ایمان کے درمیان دعوت حق کا فریضہ نہایت خوب صورتی اور وصف حکمت سے لبریز ہو کر دے رہا ہو اسے بھی بھلا کسی ہیچ مداں کے تائیدی پیغام کی ضرورت ہوسکتی ہے، ہرگز نہیں، کیونکہ

عطر آں باشد کہ خود ببوید نہ آں کہ عطار بگوید

ماہنامہ ارمغان ولی اللہ کی سرپرستی ایک عالم گیر عبقری شخصیت جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے مشن پیام انسانیت کی عملی تصویر، جو اپنی جلوت وخلوت کی یکسانیت میں، اپنی مثال آپ جن کے گفتار وکردار میں یک جہتی اپنے اور پرایوں کے درمیان اخلاص، چھوٹوں کے درمیان ہوں تو ایک بڑے بھائی یا باپ جیسی شفقت، اور بڑوں کے درمیان ہوں تو ایک ناصح خیر خواہ ہمدرد، جس کی شان اس جامع کمالات واوصاف کی زیرنگرانی مولانا وصی ندوی جیسی شخصیت کی زیرادارت اپنی مخصوص شناخت رکھنے والا، ماہنامہ جس کے کچھ مستقل کالم تو ایسے ہیں جیسے کہ اداریہ، نسیم ہدایت کے جھونکے، آخری صفحہ خبروں کی دنیا، جو اپنے قارئین کو باوجود پابندی وقت کے انھیں سراپا منتظر بنادیتے ہیں، وہ مؤقر مضامین، وہ مقالات جو موقع شناسی مزاج شناسی کا خوب صورت پہلو ہر داعی حق کے لئے مشعل راہ ثابت ہوتے اس پر سونے پر سہاگہ کا مصداق، بہرحال تمام دعوتی پہلو کے ساتھ ساتھ ایک نیازمندانہ عرض یہ ہے کہ اگر ہمارا یہ رسالہ ایسے درس قرآن اور درس حدیث کے عنوان سے بھی مزین ہوجائے جس میں خالص دعوتی پہلو کو اجاگر کیا گیا ہو تو میری نظر میں اس رسالہ کی افادیت میں چار چاند لگنے کی امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے، بہرحال ہمارے اس رسالہ کے اکیس سال کے آغاز پر نہ صرف یہ راقم السطور بلکہ پوری جامعہ برادری رسالہ کے تمام منتظمین کو مبارک باد پیش کررہی ہے، اور تمام قارئین کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے امیدوار ہے کہ ماضی کی طرح آئندہ بھی اس خالص دعوتی رسالہ کی تبلیغ وتوسیع میں مزید دلچسپی لے کر دارین کے اجر کے مستحق ہوں،

دعا ہے کہ سرزمین پھلت جو ہند بھر میں کتاب وسنت کی ترویج کا باعث بنی اللہ کرے اللہ کرے اس ارمغان کے ذریعہ تا قیام قیامت دعوت وتبلیغ، خلوص وللّٰہیت کے حقیقت میں بانگ درا اور بانگ حرا ثابت ہو۔ اور رسالہ کے سرپرست کو اللہ عمر نوح نصیب فرما کر گم گشتہ راہ کو راہ پر لگانے کے لئے مزید کام لیتا رہے۔

پیغامات اور دعائیہ کلمات

ماہنامہ ارمغان کی اشاعت کے اکیسویں سال کے آغاز پر

حضرت مولانا عبداللہ قاسمی صاحب

صدر وفاق المدارس العربیہ مرہٹواڑہ

اورنگ آباد [مہاراشٹر]

''ارمغان'' کے معنی تحفہ اور نذر کے ہیں ماہنامہ ارمغان پھلت ضلع مظفر نگر یوپی سے شائع ہوتا ہے جس کے سرپرست داعیٔ اسلام حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی مدظلہم ناظم جامعۃ الامام ولی اللہ الاسلامیہ پھلت ہیں اور اس کے ایڈیٹر حضرت مولانا وصی سلیمان صاحب ندوی زید مجدہم استاذ تفسیر وفقہ جامعۃ الامام شاہ ولی اللہ پھلت ہیں، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسمیں کس قدر علمی نورانیت اور روحانیت ہوگی، اس کی اہمیت اور افادیت اس اعتبار سے بڑھ جاتی ہے کہ ماہنامہ ارمغان بعض وجوہ سے منفرد ہے جہاں وہ ایک خالص دینی دعوتی رسالہ ہے اور اس کے مقاصد میں ابتداہی سے یہ جذبہ شامل ہے کہ خدا کے بندوں کو خدا سے ملائے دوسرے لفظوں میں ''تو برائے وصل کردن آمدی'' کے مصداق ہے وہاں دعوتی ذہین رکھنے والے اہل قلم خصوصاً داعیٔ اسلام حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب مدظلہم کی مختلف موضوعات کی دعوتی تحریروں کے ساتھ ''نسیم ہدایت کے جھونکے'' کے عنوان سے ہر ماہ اسلام قبول کرنے والے ایک خوش نصیب آدمی کے انٹرویز کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے، یہاں جملہ معترضہ کے طور پر عرض ہے کہ ماہنامہ ارمغان کا یہ فیضان ہے کہ صاحب علم وقلم اور داعی دین حضرت مولانا مفتی محمد روشن شاہ صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم سونوری ضلع آکولہ مہاراشٹر نے ان نومسلموں کی ان تمام آپ بیتیوں کو جو ارمغان میں شائع ہوئی ہیں ترتیب وار مرتب کر کے نسیم ہدایت کے جھونکے کے نام سے ملت کی خدمت میں پیش کرنے کا پروگرام بنایا ہے، اس سلسلہ میں ۶ رجلدیں شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں، مفتی صاحب موصوف کی طرف سے یہ ملت کے لئے روشن اور مبارک تحفہ ہے۔

ہمارا پیغام ہے کہ بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھانے کے لئے اور بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لئے ماہنامہ ارمغان پھلت کا مطالعہ ضروری ہے، اس کی توسیع اشاعت میں کوشش کرنا وقت کا تقاضہ ہے لہٰذا خود بھی اس کے ممبر بنئے اور دوسروں کو بھی بنائے۔

محمد عبداللہ قاسمیؔ

صدر وفاق المدارس مرہٹواڑہ اورنگ آباد مہاراشٹر

۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

مطابق ۲۷؍ مارچ ۲۰۱۳ء

پیغامات اور دعائیہ کلمات

ماہنامہ ارمغان کی اشاعت کے اکیسویں سال کے آغاز پر

حضرت مولانا محمد شاکر خاں صاحب (پونہ)

شیخ الحدیث و مہتمم دار العلوم نیپانی ضلع بیلگام کرناٹک
بانی و مہتمم مدرسہ بیت العلوم کونڈوا پونہ

حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب مدظلہ کی دعوتی محنت اور سرگرمی کا تعارف عرصہ دراز سے ہو چکا تھا، پھر ایک موقع پر شہر پونہ میں حضرت والا سے ملاقات ہوئی اور حال ہی میں دہلی ذاکر نگر ''منظمۃ السلام العالمی'' بھی جانا ہوا، میرے لئے حضرت والا کے کام، معاملات، ذات، شخصیت، صفات اور آپ کی طرف منسوب اچھی بری باتوں کو سمجھنے کا سب سے بڑا واسطہ اور ذریعہ حضرت مفتی محمد روشن صاحب ہیں، میں نے مفتی صاحب کے کام اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں خصوصاً برادران وطن میں دعوت والا کام اور اس کے ''محیر العقول نتائج'' کے بارے میں اتنا یقینی ہے کہ یہ مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب ہی کی توجہ اور نظر کرم کی برکت ہے، حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب کے حالات و واقعات سنتا رہتا تھا، دل بڑا ہی خوش ہوتا کہ اس مایوسی، مصلحت پسندی اور کم ہمتی کے دور میں اللہ تعالیٰ اپنے اس باہمت بندے سے کتنا عظیم کام لے رہا ہے، پونہ شہر میں جب تربیتی کیمپ ہوا تو بندہ سفر کی وجہ سے شریک نہ ہو سکا، لیکن اپنے اساتذہ کو شریک ہونے کی ترغیب دی اور ماشاء اللہ کیمپ اچھا کامیاب رہا، ارمغان میں چھپنے والے واقعات دعوت ''نسیم ہدایت کے جھونکے'' بھی پڑھنے کا اتفاق ہوا اور بعینہ وہی حال میری آنکھوں کا بھی ہوا جو حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم (شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند) نے اپنا بیان فرمایا ہے۔

پھر وہ کتاب دوسروں سے بھی پڑھواتا رہا تا کہ کم از کم اس طرح ''انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام'' کے مصداق میں بھی ان کی دعوت میں کسی درجہ شریک ہو جاؤں، پھر اچانک ایک طوفان آیا، مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب کے بارے میں مخالف باتیں گردش کرنے لگیں، ابتداء میں اس طرف دھیان ہی نہیں دیا، لیکن نوبت بایں جا رسید کہ اب مخالفتیں چھپنے بھی لگیں، ایک کتاب بھی نظر سے گذری لیکن اللہ گواہ ہے کہ دل نے ذرہ برابر اثر نہیں لیا بلکہ دل نے گواہی دی کہ مولانا معصوم ہیں، اور جس بے زبانی اور اعتراف تقصیر کو دلیل بنایا گیا وہی عبارتیں پکار پکار کر کہنے لگیں کہ یہ بندہ بے گناہ ہے، غیب کا علم بلا شک صرف اللہ ہی کو ہے لیکن ظاہری شواہد سے اگر کسی کے خلاف استدلال کیا جا سکتا ہے تو بے شک انہی شواہد سے کسی کے حق میں بھی استدلال ہو سکتا ہے اور اس کتاب میں ایسا ہی ہوا جن علماء نے مجھے یہ کتاب ڈرتے ڈرتے صرف ایک مرتبہ دکھا کر واپس لے لی وہ بھی یہی کہتے سنائی دئے کہ مولانا کلیم صاحب کے اعترافات تو خود مولانا کلیم صاحب کو بے گناہ اور معصوم ثابت کر رہے ہیں۔

پھر حضرت مفتی روشن صاحب سے پتا چلا کہ بعض کتابیں مولانا کلیم صاحب کے دفاع میں بھی لکھ کر مسودے پیش کئے گئے لیکن مولانا کلیم صاحب نے انہیں ڈانٹ دیا، سختی سے منع کیا اور مخالفت میں لکھنے والوں کے حق میں بس یہی کہتے رہے کہ وہ ہمارے بزرگوں کے خاندان سے ہیں، میں ان کے خلاف ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتا، سبحان اللہ کیا ظرف ہے، کیا برداشت ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں عبرت پکڑنے کی توفیق دے۔ آمین

حضرت عمرؓ کے ایک دربان نے حضرت زبیرؓ کو اندر جانے سے روک دیا تو حضرت زبیرؓ نے اس دربان کو پیٹا اور اندر

پیغامات اور دعائیہ کلمات

ماہنامہ ارمغان کی اشاعت کے اکیسویں سال کے آغاز پر

چلے گئے جب حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو حضرت زبیرؓ سے فرمایا زبیرؓ جب کسی جانور کو زخمی کر دیا جاتا ہے تو دوسرے جانور اس کو کھا لیتے ہیں، یعنی اس پر جری ہو جاتے ہیں۔

دین کے ہر شعبہ میں یہ بیماری آج بڑھ گئی ہے کہ کسی کی برائی کر کے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اب یہ بے وزن ہو جائے گا حالانکہ ہر ایک کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا بلکہ بہت سوں کا وزن اور بڑھ جاتا ہے، وہ مزید قد آور ہو جاتا ہے، آنے والا وقت خود بتائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مولانا کلیم صاحب کے لئے ایک نیا فیصلہ تھا، ایک معراج تھی، جس نے مولانا کی عزت میں چار چاند لگا دئے۔ اسی موقع کیلئے کتنا موزوں شعر ہے کہ

تندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

اور ایک شعر ہے جو مجھے یاد تو تھا لیکن مولانا کے صلح پسند رویئے نے مجھے اس کے معنیٰ سمجھا دئے '

مخالفت سے میری شخصیت نکھرتی ہے
میں دشمنوں کا بڑا احترام کرتا ہوں

بڑوں کے معاملوں میں زیادہ لب کشائی اچھی نہیں، اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور مولانا کے لئے اور خصوصاً آپ کی دعوت اور ارمغان کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مقبولیت اور قبولیت دونوں سے نوازے۔ آمین ثم آمین

فقط والسلام
(مفتی) شاکر خان قاسمی
۲۷/جمادی الاول ۱۴۳۴ھ
مطابق ۹/اپریل ۲۰۱۳ء بروز منگل

حضرت مولانا شاہد الناصری صاحب

ایڈیٹر ماہنامہ حج میگزین ممبئی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد

رحمت دوعالم "روحی فداہ ابی و امی" جناب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے، اللہ اس شخص کو تر وتازہ (اور خوش) رکھے جو ہماری کوئی بات سنے اور دوسروں تک پہنچائے، غالباً تعمیل ارشاد کا منصوبہ ہی رہا ہوگا جو مکرمی جناب مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب دامت برکاتہم نے اپنے چند رفقاء کی تحریک پر اب سے ۲۱/سال پیشتر ارمغان ولی اللہ کے نام سے پھلت جیسے مردم خیز و انقلاب آفریں خطہ سے ماہنامہ کے طور پر جاری کیا تھا، اور جو بحمد اللہ تادم تحریر افق پر روشن وتابناک نظر آرہا ہے۔

ارمغان کی شاید پہلے زیارت ہوئی تھی بعد میں اس کے محرک و داعئی و بانی سے ملاقات ہوئی بوقت ملاقات عیاناً تو ان کو مذکورہ بالا حدیث کا ہی مصداق پایا، پھر وقفہ وقفہ سے ان کی ملاقاتیں اور بسا اوقات باتیں ہوتی رہیں، ہر بار ہر جگہ اخلاص و للّٰہیت اور تواضع، منکسر المزاجی کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ایک مجسم انسانی شکل میں ہی نظر آتا رہا، خاکساری اور تواضع کی باتیں ہی نہیں بلکہ اس سے اوپر اٹھ کر "کیفیات" کو محسوس کرنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا کہ کوئی خاتم المحدثین ہے تو کوئی خاتم المتکلمین تو کوئی خاتم المفسرین ہے لیکن مولانا خاتم المتواضعین ہے، اور یہ خاتم المتواضعین اپنے حقیقی معنوں میں عند اللہ کتنا پسند کیا گیا ہے، وہ اہل نظر سے مخفی نہیں، لوگوں کے درمیان اگر چلیں تو پیچھے صفوں میں رہیں تو اس طرح گویا اقتداء کرنے والے ہوں، اگر باتیں بیان کر رہے ہوں تو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ، اسلاف عظام کی باتیں بسا اوقات اس کی روشنی میں اپنا کوئی تجربہ وہ بھی سامعین کی حوصلہ افزائی کے لیے، انہی صفات حسنہ کی بنیاد پر عند اللہ وعند الناس آدمی رتبہ محبوبیت پر فائز المرام ہوتا ہے، کہہ گئے

پیغامات اور دعائیہ کلمات

ماہنامہ ارمغان کی اشاعت کے اکیسویں سال کے آغاز پر

ہیں ہمارے مرشد حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی

اس حقیقت سے واقف ہے اہل نظر
مقتدیٰ وہ نہیں جو نہیں مقتدی

مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب اکابر علماء اولیاء اللہ کے یہاں برسوں مقتدی بن کر رہے ہیں، قطب عالم حضرت شیخ زکریاؒ اور اس سلسلہ کے تمام مشائخ کے یہاں، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ، حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتاب گڈھی، حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ اور دیگر اکابر زمانہ کے یہاں اتنی کثرت سے آپ کا سفر ہوا یا آپ نے مکاتبت کی کہ اس کے اثرات نے مولانا کی زندگی پر دوررس اثرات چھوڑے یہی وجہ ہے کہ مولانا کی تحریر ہو یا تقریر 'از دل خیزد بر دل ریزد' کے مصداق ہوا کرتی ہے، اشاعت اسلام اور تصحیح مسلمانی کے سلسلہ میں بھی مولانا کا کام ایسا ہے کہ وہ اب ''ہمت مرداں مدد خدا'' کا مصداق بن گیا ہے۔

بہر حال جس نہج پر اور جس طرح بھی مولانا کام کر رہے ہیں وہ لائق صد آفریں و لائق صد تحسین ہے کہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہے یہ بات کہ آپؐ سے روحی فداہ ابی وامی سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے علیؓ اگر تیرے کہنے سننے سے کوئی ایک آدمی بھی راہ راست پر آجائے تو یہ تیری نجات کے لئے کافی ہے، اگرچہ مولانا نے اس پر اپنے مشن کو ختم نہیں کیا بلکہ یہ سفر جاری ہے اور میری دعا ہے کہ ان کا یہ سفر ہر تعب و تھکن سے پاک رہے اور ابدالآباد تک جاری و ساری رہے

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

سسکتی اور دم توڑتی ہوئی اردو زبان میں کسی اردو رسالہ کا اکیس سال تک تسلسل کے ساتھ جاری رکھنا اللہ کا فضل بیّن ہے، خدا کرے افضال کا یہ سلسلہ صدیاں در صدیاں جاری رہے بہ صمیم قلب مولانا مکرم کی خدمت میں اور ان کے رفقاء کی خدمت میں اس زریں سلسلہ کے یہاں تک پہنچنے پر ڈھیر ساری مبارک بادیاں ودعائیں۔ والسلام

شاھد الناصری الحنفی

۱۰/اپریل ۲۰۱۳ء

صفحہ ۳۲ کا بقیہ ....

فرما کر ۳۲/سال قبل اس دار فانی میں ضلع متھرا کے قصبہ و تحصیل ماٹھ کو ان کا وطن مولوف بنایا۔ ان کے والد محکمہ آبپاشی میں اعلی عہدہ پر تھے، چنانچہ ان کی قصبہ جیور میں تعیناتی کے دوران، وہاں ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کرکے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے باقی تعلیم یعنی بارہویں کلاس، ایم بی بی ایس اور ایم ڈی تین سال قبل مکمل کی، حصول تعلیم کے فوراً بعد جامعہ ہمدرد، دہلی میں ملازمت سے عملی زندگی کی شروعات کی، پھر چند ماہ بعد رامپور میں بین الاقوامی ادارے ڈبلیو ایچ او کے صحت و تندرستی سے متعلق پروجکٹ میں ایک سال ذمہ داری نبھا کر مراد آباد تیرتھانکر مہاویر میڈیکل کالج میں ایک سال لیکچرر رہے، یہاں کے بعد انتقال سے صرف بارہ یوم قبل ہی سرکاری میڈیکل کالج سونی پت میں بحیثیت استاذ ملازمت جوائن کی تھی، ۱۲/مارچ ۲۰۱۳ء کو سعودی عرب سے آئے ہوئے ایک وفد کو ملازمت کے لئے انٹرویو دینے سونی پت سے دہلی آئے، لیکن قضا کو تو انہیں مراد آباد پہنچانا تھا، لہٰذا سونی پت میں مقیم اپنی اہلیہ (جو محض چھ ماہ پہلے اگست ۲۰۱۲ء میں ان سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئی تھیں) کو مطلع کرکے مراد آباد میں اپنی بقایہ تنخواہ لینے کی غرض سے مراد آباد آگئے۔ میڈیکل میں اپنے پرانے درس دینے والے ساتھیوں اور ملنے والے شاگردوں کے سامنے اس بھاگ دوڑ اور سفر کی تھکان کے باوجود وہ دعوتی سبق اس دن بھی دہراتے رہے جو یہاں دوران ملازمت وہ ان غیر مسلموں کو سنایا کرتے تھے۔ اللہ تیری شان۔! فکر دعوت ہو تو ایسی!! آخر کار! اس رات وہی ہو کر رہا جو اللہ کا فیصلہ تھا: **کلّ نفس ذائقة الموت**

بارگاہِ رب کریم میں دست بستہ التجا ہے کہ ان کی اس شہادت کے صدقے میں اللہ تعالیٰ ہم سب پر کرم فرما کر ان کے ساتھ ہماری بھی مغفرت فرمادے، والدین خصوصاً والدہ محترمہ، بیوہ، اور دیگر پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ کار دعوۃ الی اللہ میں ان کے نشانے اپنے فضل و کرم سے پورے کرنے کے فیصلے فرمادے۔ آمین۔۔۔ ثم آمین

خبروں کی دنیا

News World

محمد ادریس ولی اللہی

ہندوستانی مسلمانوں کو با اختیار بنانے کا تین یونیورسٹیوں کا معاہدہ

ہندوستانی مسلمانوں کو با اختیار بنانے بالخصوص میڈیا سول سروس اور دفاعی شعبہ میں با اختیار بنانے کے لئے ملک کی تین ممتاز یونیورسٹیوں نے معاہدہ کیا ہے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے عہدہ داروں نے بتایا کہ جامعہ ہمدرد، جامعہ ملیہ اسلامیہ، اور علی گڑھ یونیورسٹی نے یادداشت مفاہمت پر دستخط کئے ہیں، اس معاہدہ کے تحت مختلف کورسز شروع کئے جائیں گے، تاکہ مسلم نوجوانوں کو ترقی کی راہ پر ڈالا جاسکے، تینوں یونیورسٹیوں کے وائس چانسلرس نے علی گڑھ میں دستخط کئے، اگرچہ مسلم نوجوانوں کو شعبہ جات میں تعلیمی مہارت پیدا کرنے کے لئے مختلف کورسز شروع کئے جائیں گے، لیکن صحافت، سول سروس اور فوج کو اہم ترجیح دی جائے گی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں مسلح افواج میں مسلمانوں کی نمائندگی میں اضافہ کے لئے خصوصی کورسز شروع کئے جائیں گے، جامعہ ملیہ میں ماس میڈیا اور کمیونیکیشن کی تربیت دی جائے گی، جب کہ ہمدرد یونیورسٹی کے تحت سول سروس امتحانات کے لئے مسلم طلباء کو تربیت دی جائے گی۔

سعودی عرب کے میدان عرفات میں آگ سے محفوظ ۶۰ ر ہزار مستقل خیموں کا انتظام

اس سلسلہ میں سپریم حج کمیٹی کے سربراہ اور مملکت کے وزیر داخلہ شہزادہ محمد بن نائف نے میونسپل کمیٹی کو منصوبہ کی نگرانی کرنے کی ہدایت دی ہے، جو مجوزہ پلان کے نمایاں خدوخال اور اس پر ہونے والے مصارف کا تخمینہ لگائے گی، اس پروجیکٹ کی تکمیل کے بعد عرفات کے میدان میں کاٹن کے خیموں کا استعمال ترک کردیا جائے گا کیونکہ یہ آتش زدگی کا باعث بنتے ہیں، باخبر ذرائع نے اس منصوبہ پر ہونے والے اخراجات کا تخمینہ ایک ارب سعودی ریال لگایا ہے۔ اس منصوبہ کو تین برس میں مرحلہ وار انداز میں مکمل کیا جائے گا۔

فیض الاسلام ہائی اسکول پھلت میں سالانہ ثقافتی پروگرام

۲۳ راپریل کی شام کو بعد مغرب پھلت کے تاریخی ادارہ فیض الاسلام ہائی اسکول میں سالانہ ثقافتی خوب صورت پروگرام منعقد کئے گئے، اس موقع پر تین درجن سے زائد طلباء وطالبات نے مختلف تعلیمی وتربیتی عنوانات پر خوب صورت پروگرام پیش کئے، اس پروگرام میں اردو، ہندی، انگریزی تقریروں کے حمد و نعت، نظمیں اور مکالمے وغیرہ پیش کئے، فیض الاسلام کے کھچا کھچ بھرے ہوئے کمپاؤنڈ میں ننھے منے طلباء نے اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرکے سامعین کو مسحور کردیا، اس موقع پر مشہور صحافی جناب کالو رام تیاگی، اشوک کمار تحصیل دار کھتولی کے علاوہ انور پردھان، اور ڈاکٹر مسرور الحق نے خاص طور پر شرکت کی، پروگرام کی صدارت جناب مولانا محمد طاہر ندوی نے کی، جب کہ نظامت کے فرائض فیصل ندوی نے انجام دیئے۔ پروگرام کو کامیاب بنانے میں پرنسپل محمد خالد، مولانا خالد ندوی، نسیم ندوی، حافظ محمد عبد اللہ، ماسٹر اطہر، ضیاء الرحمٰن، نیز شعبہ خواتین سے سعدیہ صدیقی اور دیگر کارکنان نے خاص رول انجام دیا۔ ڈاکٹر محمد سلیم صدیقی اور مولانا محمد طاہر ندوی کے صدارتی کلمات پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

فقہی مسائل

مفتی محمد عاشق صدیقی ندوی

س: زید اپنا کاروبار علاحدہ کرتا ہے اور اس کے والدین الگ مقام پر رہتے ہیں زید پر حج فرض ہے جبکہ اس کے والدین پر فرض نہیں ہے، اب لوگ کہہ رہے ہیں کہ پہلے اپنے والدین کو حج کراؤ پھر تم کرنا۔ شریعت کا حکم کیا ہے؟ بتلائیں نوازش ہوگی۔

ج: دراصل حج ایسا فریضہ ہے جو زید کے ادا کرنے سے ہی اس کے ذمہ سے ساقط ہوگا، اگر اس کی اتنی حیثیت ہے کہ والدین کو بھی حج کرا سکے تو اپنے ساتھ لے جائے اور اگر اس وقت والدین کو ساتھ لے جانے کی استطاعت نہیں ہے تو اس کو اس وقت اپنا فریضہ ادا کرنا چاہئے۔ پہلے والدین کو حج کرانا پھر اس کے بعد خود حج کرنا یہ شرعی حکم نہیں ہے، عوام کی ایجاد ہے، اگر والدین کو حج کرادیا اور خود ادا نہ کیا تو پھر بھی اس کو اپنا حج کرنا لازم ہوگا، زید کو چاہئے کہ والدین کو شریعت کا حکم سمجھادے اور ان کو بھی حج کرانے کا ارادہ رکھے۔ اللہ آسانی فرمادے گا۔

س: میت کے ذمہ جو قرض ہے اس کو کب ادا کیا جائے؟

ج: میت کے قرض کی ادائیگی میں جلد بازی سے کام لینا چاہئے، خاص طور پر وہ قرض جو میت نے کسی خاص مدت کے وعدہ پر اٹھایا ہو اس کو متعینہ مدت تک ادا کردینا چاہئے، تاخیر کی صورت میں باز پرس ہوگی۔ قرض کی ادائیگی ہو جائیگی تو تقسیم میراث کی راہ بھی آسان ہوجائے گی۔ (ردالمحتار: ۱۰/۴۹۷)

س: کسی نے ''فلاں کام نہیں کروں گا'' یہ کہہ کر قسم کھائی مگر بعد میں وہ کام کرلیا، اب اسے کیا کرنا ہوگا جو اس گناہ کا کفارہ ہوجائے۔ جواب سے نوازیں۔

ج: اگر ایسی قسم کھائی ہے جس کا نتیجہ قطع رحمی، رشتہ و تعلق کو کاٹنا یا کوئی اور عملِ معصیت ہو تو ایسی قسم کو توڑنا ہی چاہئے، اور اگر ایسا کام نہ کرنے کی قسم کھائی جس پر جمے رہنا گناہ نہیں تو ممکنہ حد تک اس قسم پر جمے رہنا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ قسم نہ ٹوٹے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے قسم پوری نہ کرسکا اور قسم توڑ دی تو اس قسم کا کفارہ ادا کرنا چاہئے۔ کفارہ قسم یہ ہے: (۱) اوسط درجہ کا کھانا جو آدمی اپنے گھر میں کھاتا ہے، دس مسکینوں کو کھلائے (۲) یا ان کے کپڑے بنوائے (۳) اور اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو تین دنوں تک روزہ رکھے۔ (المائدہ: ۸۹)

س: آجکل لڑکیوں کو شادی کے موقعوں پر دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے ماتھے پر چمکین لگاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اس میں کیا حرج ہے؟ بتائیں کہ عورتوں کا ایسا عمل کہاں تک درست ہے؟

ج: غیر مسلم خواتین اپنی پیشانی پر بندی لگاتی ہیں اور یہ ان کی مذہبی تعلیمات کے مطابق سہاگ کی علامت سمجھی جاتی ہے اسلام میں عورتوں کے لئے زیب و زینت کا دروازہ بند نہیں کیا گیا بلکہ اس کی بہت گنجائشیں رکھی گئی ہیں اور حدود متعین کی گئی ہیں۔ البتہ مسلمانوں کو غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کرنے سے شدت کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: من تشبہ بقوم فھو منھم (سنن ابی داؤد، حدیث: ۴۰۳۱) اس لئے مسلم خواتین کو ایسے فیشن سے بچنا چاہئے جس میں دوسروں کی مشابہت ہو، اور گناہ و معصیت لازم آئے۔

س: بچہ پیدائش کے وقت زندہ تھا کچھ ہی دیر بعد فوت ہوگیا تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

ج: جو بچہ زندہ حالت میں پیدا ہوا ہو تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ (الدرالمختار ۲/۱۲۹)

آخری صفحہ

ایک مظلوم شریف زادی کی داستان

سفر سے واپس ہوا، تو گھر والوں نے ڈاک حوالہ کی، پہلا خط کھولا تو ضلع گیا بہار کی ایک مظلوم شریف زادی کا خط تھا، جس میں ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لئے یہ مضمون لکھا تھا:

محترم چچا جان السلام علیکم

امید ہے آپ بخیر ہوں گے۔

بڑی تلاش کے بعد آپ کا پتہ ملا، ایک ضروری مسئلہ معلوم کرنے کے لئے آپ کو زحمت دے رہی ہوں میں بہار کے ضلع گیا کے ایک قصبہ سے ایک نیک دین دار اور پڑھے لکھے مسلمان کی بیٹی ہوں، میرے والد ایک دینی جماعت سے جڑے ہوئے ایک سرکاری مڈل اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں، میری والدہ اکثر بیمار رہتی ہیں، اپنے والد کی ہم چار بیٹیاں ہیں، چاروں قبول صورت اور گریجویٹ یا پوسٹ گریجویٹ ہیں، ہمارے والد کو جو تنخواہ ملتی ہے اس میں ہماری والدہ کی بیماری کے ساتھ گھر کے اخراجات مشکل سے پورے ہوتے ہیں، اب ہماری شادیوں کے لئے جو جہیز اور تلک کے مطالبات ہیں، ہمارے والد ان کو پورا کرنے پر قادر نہیں ہیں، اس کی وجہ سے ہم چاروں بہنیں اپنے والدین کے لئے بوجھ اور عذاب بن گئی ہیں، کب سے ہم نے اپنے والد اور والدہ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، رات میرے والد کی ہچکیوں سے میری آنکھ کھل گئی، تہجد میں اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، میرے رب میری پھول سی بچیاں مجھ پر عذاب بن گئی ہیں، مولائے کریم آپ اس عذاب سے مجھے کب نجات عطا فرمائیں گے، چچا جان مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا ہمارے لئے اس حال میں بھی خودکشی جائز نہیں۔

والسلام

آپ کی بھتیجی

یہ خط کسی ایک شریف زادی کا خط نہیں، بلکہ ان لاکھوں مظلوم دوشیزاؤں کی الم ناک داستان ہے، جن کی جوانی ملت کے مالداروں کی شادیوں میں فضول خرچیوں اور اسلام کے مثالی آسانی اور سادگی کے نظام معاشرت کو چھوڑ کر غیر اسلامی رسم و رواج جہیز اور تلک کے مطالبات کی حد تک بڑھے ہوئے ظالمانہ طور طریقوں کی وجہ سے اپنے والدین کے لئے بوجھ اور عذاب بنی ہوئی ہیں، اور ان میں سے خاصی تعداد ایسی مظلوم دوشیزاؤں کی بھی ہے، جنھیں اس ظالمانہ رسم و رواج اور مال کی بھوک کے نظام کی وجہ سے شادیوں کی خوشی سے محروم ہی رہنا پڑتا ہے، کیسا افسوس ناک ہے یہ حال اس ملت کا جس کو مسلمان ہونے کا دعویٰ ہے، اور جس کو اس کے نبی رحمۃ للعالمین ﷺ نے اسلام جیسا محبت بھرا نظام عطا فرما کر:

من ضیق الدنیا الی سعتھا دنیا کی تنگی سے اسلام کی وسعت کی طرف

ومن جور الادیان الی عدل الاسلام اور مذاہب کے ظلم و جور سے اسلام کے انصاف کی طرف

نکالا گیا تھا، مگر اسلام کا دم بھرنے والے ہم مسلمان اسلام کے اس آسانی اور سادہ معاشرہ کے نظام کو چھوڑ کر جس کا بہت ہی رحمت بھرا نظام اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے عمل اور صحابہ کرام کو اس پر ڈال کر ہمارے لئے چھوڑا تھا، آسانی سے تنگی کی طرف اور اسلام کے عدل و رحمت کے نظام سے غیر اسلامی ظالمانہ رسم و رواج کے بندھن میں اپنے کو باندھتے چلے جا رہے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ بہادر اور جیالے اسلام کے سپاہی اٹھیں اور ان لاکھوں مظلوم دوشیزاؤں کے زخموں کا مرہم بن کر فضول خرچی، اسراف اور حرص و ہوس کے شادی بیاہ کے نظام کے خلاف کھڑے ہوں، اور **اعظم النکاح برکۃ ایسرہ مئونۃ** (سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں مالی بوجھ کم ہو) کی عملی تصویر پیش کر کے اس ظالمانہ دھارے کا رخ بدل دیں۔

مولانا محمّد کلیم صدیقی